کلیاتِ فانی

فانی بدایونی

پرویز بک ڈپو دہلی

نام کتاب : کلیاتِ فانی

تعداد : ۵۰۰

قیمت : دس روپے (۱۰/-)

ناشر : پرویز بک ڈپو دہلی

طابع : نعمانی پریس دہلی

ملنے کا پتہ

ناز پبلشنگ ہاؤس بھوجلہ پہاڑی دہلی

مقدمہ

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانیکی
فلک کا دیکھنا! تقریب تیرے یاد آنے کی

"فانی" مرحوم کی کلیات پر میرا یہ "مقدمہ" ایک بے جوڑ سی بات ہے۔ میں نہ خود شاعر، نہ کوئی بڑا سخن فہم! لیکن باوجودیکہ شعر و سخن سے میری زندگی کا ربط بہت محدود اور مشروط ہے۔ لیکن شاعر فانی کو میں جانتا تھا اور دعوی کر سکتا ہوں کہ جانتا تھا، بحیثیت ایک عزیز دوست کے بھی اور بحیثیت اس غمگین سیاح کے بھی جو عالم تصورات میں غم زندگی کے حقیقی فلسفہ کو اپنی شاعری میں سموتا ہوا گزر گیا۔ حیدر آباد میں فانی کی مختصر زندگی میری نظروں کے سامنے گزری میں ان سے بہت قریب تھا۔ ان کے حیدر آباد آنے سے پہلے میں ان کا کلام سنا کرتا تھا۔ اور کہا کرتا تھا "شاعر اچھا ہے! معلوم نہیں آدمی کیسا ہے؟" —— جب ان کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ جتنا کہ وہ شاعر ہے اس سے زیادہ انسان ہے!!

اب جو ان کے متعلق چند سطریں لکھنے بیٹھا ہوں تو سب سے پہلے انکی شاعری میں ان کی انسانیت کو دیکھتا ہوں اور اس کے بعد ان کی انسانیت میں بھی انکی شاعری کو! یہ مقدمہ اپنے اس دعوے سے شروع کرتا ہوں کہ میں کسی دوسرے شاعر کو نہیں جانتا جس نے اپنی شاعری کو اپنی زندگی کے تاثرات، اپنی حقیقی

واردات قلب اور اپنے تمام تر انسانی احساسات کا اس قدر صحیح آئینہ دار بنایا ہو
فانی کی شاعری یکسر خود فانی ہی کی مہجور روح ہے! اس شاعری کو فانی کی روح
سے الگ کر لیجئے یا فانی کی روح کو اس شاعری سے خارج کر دیجئے (گو کہ یہ دونوں
باتیں ممکن نہیں) تو رہ بھی کیا جاتا ہے ان اوراق میں سوائے ایک وحشت زدہ
اور ویران خلا کے۔

ابتدائی زندگی میں شعر و سخن کی طرف ان کی طبیعت کے رجحانات کو سختی کے
ساتھ روکا گیا۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ تو ان کے ابتدائی کلام کا مجموعہ بھی جلا ڈالا گیا۔ اس کے
بعد شاید اقلیم سخن کو یہ تاجدار نصیب ہی نہ ہوتا لیکن مقدر یہ تھا کہ ان کی جوانی میں
عشق کا شعلہ بھی جگہ پائے۔ وہ اپنے ساتھ ایک افسانۂ محرومی و مہجوری لے کر آیا۔ یہ فسانہ
اتنا ہی دراز تھا جتنی کہ ان کی عمر! اُسی مقام سے اُن پر غم کا فلسفہ منکشف ہوا
اور غم کی پرچھائیاں ان کی شاعری کے آئینہ میں ـــ یعنی ان کے دل کے آئینہ میں
نقش و نگار پیدا کرنے لگیں ـــ وہی نقش و نگار جو اب ان اوراق پر
جمع کئے گئے ہیں۔

سوچتا رہا ہوں ـــ اکثر سوچتا رہا ہوں ـــ اس زندگی کے پُر فریب
آئینہ میں ـــ آزردہ وجدان ہے کیا جو اشعار کے پیرہن میں نوحہ بھی بنتا ہے
اور نغمہ بھی! قلم سے لکھی ہوئی مرصع عبارت یا زبان سے ادا کئے ہوئے مترنم
الفاظ۔ کیا شعر اسی کو کہتے ہیں؟ وزن قافیہ۔ ردیف اور ان کے تمام متعلقات
کے ہجوم میں کیا شعر بس وہ جملہ ہے جس میں تھوڑا سا ترنم ہو، تھوڑی سی لطافت ہو
الفاظ کی خوبصورت اور خوش آہنگ نشست ہو، جذبات کا تھوڑا سا تموج ہو، کیا

تب نفسِ انسانی کے ارتقا کی وہ منزل آتی ہے جس کے متعلق نطشہ نے کہا تھا کہ :-

"درد کے روحانی بن جانے کا نام ہی ترقی ہے"!

مہاتما بدھ نے بھی اپنے فلسفہ میں خوشی نشاط اور انند کو "کربِ معکوس" بتایا ہے۔ جب کوئی شاعر اس نکتہ اور زندگی کے عظیم تر فلسفہ کا رازداں بن جائے ابھی تو وہ کہہ سکتا ہے کہ :-

ہاں ناخنِ غم کمی نہ کرنا
ڈرتا ہوں کہ زخمِ دل نہ بھر جائے!

فانی نے اپنی آخری سانس تک زندگی کے اس فلسفہ کو زندہ رکھا۔ انہوں نے اس فلسفہ میں ایک آتشیں نفس حیات پیدا کیا۔ اسی لیے تو مجھ جیسے دیوانے "فانی" کو بہت بڑا شاعر اور بہت بڑا عکاس فطرت مانتے ہیں! غالبؔ نے "گھر کی رونق" کے فلسفیانہ تصور کو صرف یہ کہہ کر ختم کر دیا تھا کہ :-

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

لیکن فانی اس منزل سے گزر کر آگے بڑھے۔ انہوں نے نغمۂ شادی کو بھی "نوحۂ غم" کے معکوس حالت سے زیادہ تسلیم نہ کیا۔ انہوں نے "نغمۂ شادی" کے سطحی آہنگ کو اپنی الم پرور روح کی گہرائیوں میں غرق کر دیا —— عام فہم اصطلاح میں "آرٹ" کے معنی بہت ارزاں ہو گئے ہیں —— اتنے ارزاں کہ بہت ادنی، جنسی جذبات بھی "آرٹ" کو اپنی گود میں لئے بیٹھے ہیں! لیکن پھر بھی

اس کلیہ کو آرٹ کے تمام ارزاں فروش بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ اس کا بلند ترین مقام "المیہ" ہے۔ یہ مقام جہاں "انکار" "اقرار" کو شکست دیتا ہے۔ جہاں نفی اثبات پر حاوی ہو جاتی ہے! کوئی قوت دنیا میں "انکار" کی قوت سے زیادہ موثر نہیں۔ آسان راہ "اقرار" کی ہے اور مشکل راہ "انکار" کی ہے ــ فانی نے یہ مشکل راہ اختیار کی۔ اس نے صاف کہدیا کہ!۔

دل ہے آوارۂ حدودِ نیاز   دور لے جا ہٹا کے سرحدِ ناز!

"حدودِ نیاز" سے دل کی آوارگی اور "سرحدِ ناز" سے یہ بے نیازی وہ مقام ہے جہاں "انکار" کا شہنشاہ بصد جاہ و جلال اپنی مملکت میں اورنگ زیب ہوتا ہے۔

فانی کے "افکار" پر "قنوطیت" کی تہمت رکھنے والے صرف وہی لوگ ہیں جو اس کے مقام سے واقف نہیں ــ جو "مقام انکار" سے واقف نہیں! جو خوشگفتہ پھول کی تازگی اور شریت کو مرجھائے ہوئے پھول میں نہیں پا سکتے ــ! "سرحدِ ناز" اور "حدودِ نیاز" کے ان باسیوں سے کیا کہئے کہ یہ بیچارے موجودات کے تنگ میدان میں اپنی نظر کی سرحدوں کے اندر محصور ہیں! ان کی خاطر میں ان اوراق کو "اقرار" اور "انکار" کی بحث سے گرانبار کیوں کروں! ان کو ان کے حال پر چھوڑ کر بس اتنا ہی کہتا ہوں کہ "فانی" کا وجدان محض آرٹ نہ تھا وہ ایک حقیقی اور انفرادی وجدان تمام تھا جو ان کو "رنگ و بو" کی تمام عارضی لذتوں سے روگرداں کر کے ایک ایسے غارزار میں لے گیا جس کے ہر کانٹے کی نوک شاعر کے حیات معنوی کے لہو سے رنگین ہے! ــ پھر کہتا ہوں کہ المیات کے اس

بلند مقام پر ـــــ یعنی شاعری کے اس بلند مقام پر ـــــ اردو زبان کا کوئی شاعر آج تک نہیں پہنچا! مختلف اصنافِ سخن میں بعض اساتذہ نے درجۂ کمال حاصل کیا ہے، لیکن "میرؔ" کے بعد سوز و گداز کا یہ رنگ کسی دوسرے ساز سے پیدا نہ ہو سکا۔ اپنے زمانے کے اعتبار سے "میرؔ کبھی کبھی کبھی" رنگ و لو کے نخلستانوں میں کھٹک جایا کرتے تھے۔ لیکن فانی نے شاید ہی اپنے دس یا پانچ اشعار میں اس فلسفۂ حیات کا دامن ہاتھ سے چھوڑا ہو جو خود اس کا مخصوص فلسفۂ حیات تھا، موجودہ دور کے شعراء میں صرف ایک شاعر کا نام لے سکتا ہوں جو "فانی" کے پہلے فانی کی اس دنیا میں نوا پیدا ہوئے۔ وہ استاد مرحوم شادؔ عظیم آبادی تھے ان کے بعد نگران سے بھی زیادہ "فلسفۂ الم" کا سب سے بڑا داعی اور نقاش صرف "فانی" تھا، اور فانی کے بعد اب کوئی نہیں۔

فانی نے جو کچھ کہا اس کی نمایاں خصوصیات پر بحث کرنے کے لئے کوئی مجھ سے بہتر لکھنے والا ایک پوری کتاب لکھے لیکن اس مقدمہ میں ان کی ایک خصوصیت کا میں سب سے پہلے ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ خصوصیت ان کی "انفرادیت" تھی جو "میرؔ اور شادؔ" اور غالبؔ سے بھی زیادہ ان کے کلام میں نمایاں ہے، فانی نے جو کچھ کہا اس طرح کہا کہ وہ گویا انہی کی اپنی بات ہے۔ اس کی اپنی واردات ہے آپ بیتی ہے۔ اس کے اپنے افکار کی حقیقی اولاد ہے! غالبؔ کی طرح اس کی انفرادیت نے کبھی اپنے مقام پر کبھی کسی غیر کی شرکت کو گوارا نہیں کیا۔ وہ اپنی بات صرف اس طرح کہنا پسند کرتا تھا۔ جس طرح کہ کوئی دوسرا نہ کہتا ہو ـــــ نہ کہہ سکتا ہو! ـــــ یہی انفرادیت درحقیقت فانی کے شخصی کردار کا آئینہ ہے مثلاً ان

کے شخصی کردار میں "خودداری" ایک بہت نمایاں اور بہت طاقتور عنصر تھا انہیں مشاعروں میں دیکھا۔ گھر کی صحنوں میں دیکھا۔ تخلیہ میں۔ جب میرے اور ان کے سوا کوئی موجود نہ ہوتا تھا — دیکھا تکلف اور بے تکلفی دونوں حالتیں دیکھیں، لیکن وہ جوان کے کردار میں ایک شانِ تمکنت اور خودداری کا دبدبہ دیکھا وہ ایسا تھا کہ ان کے بے تکلف دوست بھی اس سے متاثر اور مرعوب ہوا کرتے تھے خود میری حالت یہ تھی کہ اگر کبھی جی چاہتا تھا کہ فانی کچھ سنائیں اور میں سنوں تو دس دفعہ اپنی اس خواہش پر غور کرنے کے بعد ڈرتے ڈرتے ان سے کچھ کہتا۔ بھی کچھ سناؤ! پھر بھی نظر ان کے چہرہ کا جائزہ لیتی رہتی کہ کہیں یہ بات ناگوار تو نہ ہوئی۔ کبھی جی چاہتا کہ وہ کسی شب کو میرے ساتھ کھانا کھائیں تو دعوت دینے سے پہلے انتظار کرتا اور غور کرتا کہ کہنے کا موقع بھی ہے کہ نہیں! یہ حال میرا تھا کہ میں ان کا بے تکلف دوست تھا۔ تا بدیگراں چہ رسد! سچ تو یہ ہے کہ ان کی یہی ادا میرے اور ان کے درمیان محبت کی سب سے مضبوط گرہ تھی! میری آنکھوں نے ان کی احتیاج کا عالم دیکھا تھا کہ جب صبح کے ناشتہ کے بعد دوپہر کے لئے دو روٹیوں کا انتظام بہت مشکل ہو جاتا تھا — لیکن کبھی ہمدردی کے اظہار کی جرأت نہ ہوتی تھی — کہیں وہ برا نہ مان جائیں — میں کہوں کہ چند روز میرے گھر رہو تو وہ کہیں یہ نہ سمجھیں کہ میں ان کی تنگدستی کے خیال سے ان کو یہ دعوت دے رہا ہوں! کبھی ایک حرف اپنے کوائف کے متعلق ان کی زبان پر نہ آتا تھا — ایک چٹان کی طرح جو بے رحم موجوں کے تھپیڑے کھاتی ہو آخری سانس تک سب کچھ کھو کر بھی انہوں نے اپنی خودداری کا لنگر قائم رکھا

"فانی" کے کلام میں ان کے کردار کی یہ خصوصیت ایک ایسی وضعداری کے ساتھ قائم رہی جس نے درباروں اور سرکاروں میں کبھی کبھی سرنگوں ہونا گوارا نہ کیا! عشق و حسن کی محفلوں سے بھی وہ اپنی خودداری کو سنبھالے ہوئے گزرے فرماتے ہیں :—

ایک کلمۂ شوق لب پہ لایا نہ گیا　　افسانۂ آرزو سنایا نہ گیا!
"فانی" ارنی نہ اپنے منہ سے نکلا　　احسانِ تجلی بھی اٹھایا نہ گیا!

"میرؔ تو صرف اتنی ہی بات کہہ کر رک گئے تھے کہ :—

آگے کسی کے کیا کریں دستِ طمع دراز　　وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

لیکن "فانی" نے "احسانِ تجلی" اٹھانے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ یہ قوت "انکار" ہے جس کی طرف ابتدائی سطور میں میں نے اشارہ کیا تھا۔

فرماتے ہیں کہ :—

مجھے عزیز ہے فرمانِ موت کی تعجیل　　کہ موت کی یہ تمنا ہے زندگی کی دلیل!

❖

بے اجل کام نہ اپنا کسی عنوان نکلا　　دم تو نکلا مگر آرزوئے احسان نکلا

❖

دل بس ایک لرزشِ پیہم ہے سراپا یعنی　　میرے آئینہ کو آتا نہیں حیراں ہونا

❖

خاکِ فانی کی قسم ہے تجھے اے دشتِ جنوں　　کس سے سیکھا ترے ذروں نے بیاباں ہونا

❖

دل اذیت آفریں رہینِ امتحاں نہیں ۔۔۔ خدائے بے نیاز ہے جہانِ اضطراب کا

⁂

محتاجِ اجل کیوں ہے خود اپنی قضا ہو جا ۔۔۔ غیرت ہے تو مرنے سے پہلے ہی فنا ہو جا

⁂

ظالم کا نہ شکوہ کر ظلموں کی نہ پروا کر ۔۔۔ تو اپنی وفاؤں کی عزت پہ فدا ہو جا

⁂

جیے جانے کی تہمت کس سے اٹھتی کس طرح اٹھتی
ترے غم نے بچائی آبرو کی زندگی برسوں!

"جہانِ اضطراب" کا وہ "خدائے بے نیاز" جو فانی اپنے سینے میں لیکر آیا تھا اپنی وفاؤں کی وضع داری پر فدا ہوتا رہا۔ فلسفۂ غم کو اس نے ایک ایسی بلندی پر پہنچایا۔ جہاں وہ اس کی زندگی کی آبرو کا محافظ بن گیا۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر فلسفۂ غم سے ان کے افکار اس قدر متاثر نہ ہوئے ہوتے تو شاید ان کی "انفرادیت" اس مقام تک نہ پہنچ سکتی جہاں اس کو ہم دیکھ رہے ہیں۔ دنیا کے رنج و راحت اور کم و بیش کی کشمکش سے ان کی بے نیازی اور بے پروائی کہ وہ اصطلاحی طور پر رہ رہ کر بھی مردانہ وار مرنے کی عظمت سے واقف تھے۔

ناکام ہے تو کیا ہے کچھ کام پھر بھی کر جا ۔۔۔ مردانہ وار جی اور مردانہ وار مر جا
دنیا کے رنج و راحت کچھ ہوں تری بلا سے ۔۔۔ دنیا کی ہر ادا سے منہ پھیر کر گزر جا!

⁂

دردمندانِ اجل پر عشق کا احساں نہیں ۔۔۔ دردیاں دل سے گیا کب تھا کہ پیدا کر دیا!

اس بے نیازی کے ساتھ اس کی شاعرانہ فطرت حسن و عشق کے تمام پیش پا افتادہ تصورات کو ٹھکراتی ہوئی گزری ـــ میں تو کہتا ہوں کہ وہ شاعری کے سکہ رائج الوقت کو بھی ٹھکراتی ہوئی گزری۔ وہ شاعری جس کی نسبت پروفیسر رشید احمد نے اپنے مخصوص انداز میں لکھا تھا اور کیا خوب لکھا تھا۔

"ہمارا شاعر صرف اس فکر میں رہتا ہے کہ شعر کہے جائے مقدمہ لکھاتا جائے۔ دیوان چھپاتا جائے اور قافیے کرتا جائے! وہ شعر کہنا مقصود بالذات سمجھنے لگا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ بات کرنے کی اس کو تمیز نہیں سلیقہ سے رہنا اُسے نہیں آتا۔ کسی مسئلہ پر اُس سے گفتگو کیجیے تو ٹھکانے کا جواب وہ نہیں دے سکتا۔ مخصوص کتابیں اُس کی نظر سے نہیں گزریں حسنِ معاشرت سے وہ بے خبر" مگر شاعر ہے مشاعروں میں ضرور جاتا ہے، غزلیں سناتا ہے اپنی بیاض ہر وقت اپنی جیب میں رکھتا ہے کہ نہ معلوم کہاں اور کس وقت دو چار غزلیں اور دو غزلے سنانے کا موقع مل جائے ـــ یہ شاعری کا سکہ رائج الوقت ہے۔

حالی نے فرمایا تھا۔

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں   ہیں مئے ناب کے دلال قدح خوار نہیں

مئے ناب کے دلالوں کے ہجوم سے "فانی" عمر بھر بھاگتے رہے۔ اور یہی وہ خودداری اور وضعداری تھی جس کو "مئے ناب کے دلال" خود بینی تکبر اور غرور سے منسوب کیا کرتے تھے ـــ اقبال نے اسی "فلسفہ خونِ جگر" کے متعلق اپنے انداز میں کہا تھا کہ:-

جو فلسفہ لکھا نہ گیا خون جگر سے   یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار

" فانی "نے اپنا فلسفہ خون جگر سے لکھ کر شاعری کو مشاعروں کی محفل اور مشاعروں کے ہنگاموں سے بہت دور پہنچا دیا۔ اس نے موت کے تخئیل کو زندگی سے بھی آگے بڑھا دیا ـــــ خونِ جگر کے ایک سیلاب میں سارے سمندر کو ساحل بنا دیا۔ وادیٔ حقیقت کا یہ مسافر اپنی منزل سے واقف تھا اسلئے وہ موت کے عامیانہ تخئیل کی تحقیر اور توہین کر کے ـــــ یعنی موت کے خوف سے انکار کر کے ـــــ زندگی کا ایک زندہ اور بیدار فلسفہ پیش کرتا تھا۔

دریائے محبت بے ساحل اور ساحل بے دریا بھی ہے
جو موج ڈبو دے ساحل ہے یوں نام کا ساحل کوئی نہیں
فانی ہی وہ اک دیوانہ تھا جو موت سے پہلے مر جائے
کیا ہوش کی کاؤ دنیا میں اس موت کے قابل کوئی نہیں

⁂

طوفاں ہی ایک کیا مجھے طوفاں سے کم نہیں!
لنگر ہوا سفینہ ہوا ناخدا ہوا!

⁂

بغیر مرگ جسے زیست کا مزا نہ ملا   مذاق تلخ پسندی نہ پوچھ اس دل کا

⁂

آوازِ شکست دل کی طاقت کو نہ پوچھ   یہ عرش کو سو بار ہلا دیتی ہے

⁂

اپنے کمالِ شوق پر حشر کا دن ہے منحصر　　وعدۂ دید چاہیئے زحمتِ انتظار کیا

نفس کا یہ عرفان اور فلسفۂ زندگی کا یہ معکوس ارتقا جس کی بنیاد انکارِ حمول ہے" فانی" کے کلام کی روح ہے لیکن میرے لئے ایک "مقدمہ" محدود اوراق پر اس بحث کو اٹھانا اور ختم کرنا ناممکن ہے۔ تاہم فانی اور ان کی شاعری کو سمجھنے کے لئے اہلِ نظر کو ان کے عرفانِ نفس کی ان وسعتوں میں داخل ہونا ضروری ہوگا اور ان کے فلسفۂ غم کو صرف ان ہی کے کلام سے سمجھا جا سکتا ہے بشرطیکہ انکے کلام کے ساتھ ان کی معنوی زندگی سے بھی واقفیت حاصل ہو۔" فانی" اور" فانی" کی شاعری علیحدہ علیحدہ دو عناصر نہیں ہیں کہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کا مطالعہ مکمل ہو سکے۔ وہ خود اپنی ایک ہی" نگاہ آخر" کو اپنی ساری داستان سمجھتے ہیں۔

نگاہ آخر فانی سے مختصر سن لو　　زبان خلق پہ ہوگی یہ داستان طویل

لیکن اس داستان کے سننے والوں کے لئے ایک شرط بھی ہے کہ،

اہلِ دنیا مجھے سمجھ لیں گے　　دل کسی دن ذرا لہو تو کریں!

" فانی" کے جو اشعار میں جابجا نقل کر رہا ہوں وہ خاص طور پر اس کام کے لئے اس مقدمہ میں جمع نہیں کئے گئے اور نہ میں نے کوشش کی (جو رسم ہے مقدمہ نگاری کی!) کہ ہر صنف سخن میں" فانی کے کمالات کی شہادتیں ان کے کلام سے جمع کروں۔ قلم برداشتہ جو سمجھ میں آیا ——— جو کچھ یاد آیا ——— لکھتا چلا گیا ——— اگر اس لئے میرا یہ مقدمہ" عالمانہ" نہیں تو میں خوش ہوں کہ وہ عالمانہ نہیں ہے!

اُردو زبان کے دورِ جدید میں تغزل کے چار بادشاہ میں نے شمار کئے ہیں۔

حسرت، جگر۔ فانی اور اصغر ـــــ ان میں سے دو اپنے جسم فانی کی زنجیریں توڑ کر کہیں چلے گئے ـــــ معلوم نہیں کہاں؟ اب صرف دو ہی باقی ہیں! اس دور سے پہلے "فانی" کے رنگ میں استادانہ کہنے والے صرف "شاد عظیم آبادی" تھے۔ اوپر کی طرف چلئے تو روحانی سلسلہ "میرؔ" تک پہنچتا ہے، غالبؔ بھی درمیان آئے مگر صرف اس لئے کہ اُن کی "انفرادیت" فانی کی انفرادیت سے بہت قریب ہے ورنہ حسن فلسفہ کے ارتقا کا سہرا "فانی" کے سر رہا اس کے انتہائی مقام سے "غالبؔ" بہت دور ہے پھر بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اردو شاعری کے دورِ جدید میں فانیؔ سے پہلے غالبؔ نے اپنی انفرادیت کو اپنی شاعری کا جس قدر اساس بنایا اس درجہ تک کوئی دوسرا شاعر نہ پہنچ سکا۔ مثالاً غالبؔ اور "فانیؔ" کے چند اشعار کا تقابل بے محل نہ ہو گا۔

نکوہش ہے سزا فریادیٔ بیدادِ دلبر کی
مبادا خندہ دنداں نما ہو صبحِ محشر کی
غالبؔ

کیا جانئے کہ حشر ہو کیا صبحِ حشر کا
بیدار تیرے دیکھنے والے ہوئے تو ہیں
فانیؔ

تو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں
غالبؔ

بہلا نہ دل نہ تیرگیٔ شامِ غم گئی
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں
فانیؔ

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں
غالبؔ

وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو
پوچھوں نہ خضر سے بھی کہ جاؤں کدھر کو میں
فانیؔ

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

غالب

تعمیر آشیاں کی ہوس کا ہے نام برق
جب ہم نے کوئی شاخ چنی شاخ جل گئی

فانی

غالب سے بہت پہلے "میر" کا رنگ جب فانی کے کلام دیکھتا ہوں تو اکثر یہ خیال آتا ہے کہ بیسویں صدی کی یہ غمگیں روح اٹھارویں یا ۱۹ ویں صدی کے فلسفۂ غم کو کس طرح اور کہاں سے کہاں لے آئی ___ جیسے کوئی نیک بخت اور نیک کردار اولاد اپنے آباو اجداد کی جائداد واملاک کو ترقی دیتی ہے اور یہ اصطلاح عام باپ دادا کا نام روشن کرتی ہے۔ میر سے فانی نے شاید ایک ہی قطرۂ خون حاصل کیا ہے لیکن اسی قطرہ کو دریا بنا دیا۔ ایسا دریا کہ وہ خود اس میں غرق ہو گئے۔

...... اور تارِ نفس بھی ٹوٹ گیا
ایک عمر کھنچی تکلیف جسے کل رات وہ قیدی چھوٹ گیا

میر

فصلِ گل آئی یا اجل آئی کیوں درِ زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آ پہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا

فانی

کہتے تھے کہ یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

میر

یا کہتے تھے کچھ کہتے جب اس نے کہا کہئے
تو چپ ہیں کہ کیا کہئے کھلتی ہے زباں کوئی

فانی

"میر" کے رنگ میں فانی کے چند اور جواہر ریزے بھی دیکھئے۔

غم کے ٹھوکے کچھ ہوں بلا سے آکے جگا تو جاتے ہیں
ہم ہیں مگر وہ نیند کے ماتے جاگتے ہیں سو جاتے ہیں

گو ہستی تھی خواب پریشاں نیند کچھ ایسی گہری تھی
چونک اٹھے تھے ہم گھبرا کر پھر بھی آنکھ نہ کھلتی تھی

٭

جب پرسشِ حال وہ فرماتے ہیں کیا جانئے کیا ہوتا ہے
کچھ یوں بھی زباں نہیں کھلتی کچھ دردسوا ہو جاتا ہے
یکتائے زمانہ ہونے پر صاحب یہ غرور خدائی کا
سب کچھ ہو مگر خانم بدہن کیا کوئی خدا ہو جاتا ہے
قطرہ قطرہ رہتا ہے دریا سے جدا رکھ سکنے تک
جو تاب جدائی لا نہ سکے وہ قطرہ فنا ہو جاتا ہے

٭

آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ امڈا آتا ہے ۔۔۔ دل پہ گھٹا سی چھائی ہے کھلتی ہے نہ برستی ہے

دنیائے غم کے اس نگار خانے میں دیکھو کہ فطرت کے مصوروں کی روحیں کس قدر ایک دوسرے کے قریب رہتی ہیں۔ کیا وہ سب ایک ہی طرح سوچتے ہیں۔ ایک ہی طرح محسوس کرتے ہیں ایک ہی طرح بے چین ہوتے ہیں۔

شاد کا ایک شعر یاد آیا وہ بھی اسی سلسلہ کے حقیقت نگار فطرت تھے۔ فرماتے ہیں۔

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی ۔۔۔ نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

فانی نے استاد کا پورا مصرعہ یوں اٹھایا کہ :۔

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم ۔۔۔ رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم

وہ حکایت ہستی کو درمیان سے کبھی نہیں سنتے، وہ ابتدا اور انتہا کے تمام جھگڑوں کو وہم کے سپرد کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں، تصوف کی سرحدوں کی طرف جہاں وہ اپنے مہجور دل کے لئے روحانیت کے فلسفہ سے کوئی دوا مانگتے ہیں۔ مگر ان کا تصوف تقلیدی اور رسمی اور اصطلاحی نہ تھا ان کے دل گداز نے ان کی انگلی پکڑی اور تصورات جبر و اختیار کی کشمکش میں ان کو لذت کوش بنا دیا۔

ورنہ ہے مختار سزا دے کہ جزا دے فانی　　دو گھڑی ہوش میں آنیکے گنہگار ہیں ہم

٭

جبر آزادی میں پھونکی تو نے مجبوری کی روح　　خیر جو چاہا کیا اب یہ بتا ہم کیا کریں؟

٭

فانی مرے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی　　سانچے میں اختیار کے ڈھلے ہوئے تو ہیں

٭

زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں　　ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں

٭

مختار ہوں کہ معترف جبر دوست ہوں　　مجبور ہوں کہ یہ بھی کوئی اختیار ہے

٭

گنہگار کی حالت ہے رحم کے قابل　　غریب کشمکش جبر و اختیار میں ہے

٭

محشر میں جبر دوست سے طالب ہوں داد کا　　آیا ہوں اختیار کی تہمت لئے ہوئے

٭

شعلہ آرمیدہ ہوں دادیٔ برقِ نازنیں حلوۂ اختیار سے نسبت جبر ہے مجھے

جبر و اختیار کی اس وادیٔ پرخار میں ہر نوک کی خلش سے انہوں نے اپنی روح کے لئے لذتِ بے پایاں حاصل کی۔ حتیٰ کہ افکار کی اس کشمکش کو اپنے لئے ایک شغلِ بے خودی بنا لیا۔ وہ بے خودی جب بے نیازی کے ہمدوش ہوتی ہے۔ اپنی زندگی کے بعض لمحات میں تو وہ ایسے مقام سے بہت قریب پہنچے جہاں دستِ جنوں بڑھتا ہے کہ عقل کے پردۂ راز کو چاک کر ڈالے:۔

عشق ہے راز عقل پردۂ راز ہاں یہاں کوئی شے نہیں باطل

اس احساسِ حقیقت نے انہیں تصوف کے اس مقام سے آشنا کیا۔ جہاں ان کی روح سب کچھ چھوڑ کر ایک ہی لازوال اصل کا اقرار کرنے لگی۔ یہ ان کے افکار کی انتہا تھی۔

راضی برضائے یار ہو جا! بیگانۂ اختیار ہو جا!

فانی جب اس کشمکش "حق و باطل" میں اپنا راستہ پیدا کر رہے تھے۔ اسی زمانہ میں "اقبال" نے اپنا فلسفہ خودی پیش کیا اور ایک ایسی قوت ایمانی کے ساتھ پیش کیا کہ بہت سے سوتے ہوئے جاگ گئے۔ بہت سے بھاگنے والے رک گئے اور بہت سے آوارۂ افکار نے اپنا رخ بدل دیا۔ فانی نے بھی اس فلسفہ کی حقیقت کو اپنی "فکر فلک پیما" کی کسوٹی پر رکھا اور "اقبال" کے پیام کا اس طرح تجزیہ کیا کہ:۔

ترکِ خودی سے ہوشِ عشق درکِ خودی ہے جوشِ عشق

خود نشناس و خود شناس جو ہے خدا شناس ہے

متضاد نظریوں کا یہ اتصال ایک بہت مشکل مقام ہے اور ہم اس تک اس

لیے نہیں پہنچ سکتے کہ فانی کے ان نظریات کو قدرتی ارتقاء کا موقع نہ ملا ان کی عمر نے وفا کی ورنہ شاید وہ اس راہ پر کچھ آگے بڑھتے۔ تاہم اس حقیقت کو کبھولنا چاہئے کہ فانی شاعر تھے، داعی نہ تھے وہ ایک اعلیٰ ترین فلسفۂ زندگی کے ترجمان تھے۔ دکیل نہ تھے۔ اس لیئے ان کے وجدان کی تمکنت اپنی سرحدوں میں محدود رہی اور وہ ان میدانوں کی طرف نہ آئی جو "حالی" یا "اقبال" کی جولانگاہ تھے۔

اقلیم تخیل کے چار بادشاہوں میں میں نے ایک "فانی" کو شمار کیا ہے۔ میرا یہ عمل اور بیان مدعیانہ ہے اس لیئے ان کے چند — صرف چندہی — شاہکار پیش کرتا ہوں "زبان" "طرز ادا" "الفاظ کی نشست اور بندش جذبات اور بیان جذبات کی بے اختیاری ان اصناف کے یہ چند نمونے ہیں۔ چند اشارے ہیں۔ گویا اس اقلیم میں "فانی" کی بادشاہت کے چند سکے ہیں۔

لکھ چکے ہیں جا چکا خط گر یہی حالت رہی
ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دفتر کھلا

دیکھیے کیا گل کھلاتی ہے بہار اب کے برس
خواب میں فانی نے دیکھا ہے قفس کا در کھلا

✣

گم کردہ راہ ہوں قدم اولیں کے بعد
پھر راہ پر مجھے نہ بلا راہبر کو میں

دو چار ہچکیوں میں دم نزع کہہ گیا
شرح دراز زندگیٔ مختصر کو میں

✣

قربان اک ادائے تغافل پہ لاکھ بار
وہ زندگی جو صرف ہوئی انتظار میں

✣

کیوں سادگی میں طور کچھ اب بانکپن کے ہیں
کل تک تو سادگی میں ادا بانکپن کی تھی

شرمندہ وہم رشک سے اتنا نہ کیجئے آئینہ دیکھ کر مجھے دیکھا نہ کیجئے
سرکار پاسِ وضع جفا چاہتا ہوں میں یہ بھی اگر وفا ہے تو اچھا نہ کیجئے

❁

بہار آئی کہ یارب عید آئی اہلِ زنداں کو گریباں نے گلے لپٹا لیا ہے بڑھ کے داماں کو

❁

اثر پابند بھی بیتابی نہیں تو ضبط بھی کیوں ہو؟
بلا سے حالِ دل کچھ بھی سہی ناگفتنی کیوں ہو؟

❁

طبیعت رفتہ رفتہ غم کی خوگر ہوتی جاتی ہے
جفا کم کر جفا اب روح پرور ہوتی جاتی ہے

❁

ہڈیاں کئی ہیں لپٹی ہوئی زنجیروں میں لئے جاتے ہیں جنازہ ترے دیوانے کا

❁

شکوہ منظور نہیں تذکرۂ عشق نہ چھیڑ کہ وہ در پردہ مرا حالِ پریشاں نکلا

❁

فانی دوائے دردِ جگر زہر تو نہیں کیوں ہاتھ کانپتا ہے مرے چارہ ساز کا

❁

دے تیرا حسنِ تغافل جسے جو چاہے فریب ورنہ تو اور جفاؤں پر پشیماں ہوتا

❁

خاکِ فانی کی قسم ہے تجھے اے دشتِ جنوں　　کس سے سیکھا ترے ذروں نے بیاباں ہونا

⁂

چمن سے رخصتِ فانی قریب ہے شاید　　کہ آج بوئے کفن دامنِ بہار میں ہے

⁂

تجھے خبر ہے ترے تیرِ بے پناہ کی قسم　　بہت دنوں سے دلِ ناتواں نہیں ملتا

⁂

مری اک عمر فانی نزع کے عالم میں گزری ہے۔
محبت نے مری رگ رگ سے کھینچا ہے لہو برسوں

⁂

بے ذوقِ نظر بزمِ تماشا نہ رہے گی　　منہ پھیر لیا ہم نے تو دنیا نہ رہے گی

۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو فانی اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے — اب تک تین دفعہ ان کی لحد پر تین برساتیں، تین بہاریں اور تین سرما گزر چکے ہیں جس دن ان کے جسدِ خاکی کو دفن کر کے آیا تھا پھر آج تک اس مٹی کے ڈھیر کی طرف نہ جا سکا۔ جو قبریں مجھے زیادہ محبوب ہوتی ہیں ان کے قریب میں جا نہیں سکتا شاید یہ میری ایک کمزوری ہے۔

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے

لیکن میں ہمیشہ اپنے پیاروں کی قبر اپنے دل میں پاتا ہوں — میرا دل ہی میرا سب سے بڑا گورستان ہے! کبھی کبھی دل کہتا ہے۔ "فانی نہیں مرے "مر کے بھی نہ مرے" — مگر میں کہتا ہوں وہ مرے یا نہ مرے مگر ساری دنیا

مر گئی جو انہیں بھول تہیں۔

بے ذوق نظر بزم تماشا نہ رہے گی　　منہ پھیر لیا ہم نے تو دنیا نہ رہے گی

مردوں کا یہ ملک ـــــ یہ قبرستان جس میں مردے چلتے پھرتے ہیں کسی کو کبھی یاد نہیں رہ سکتا! وہ ایک گوشہ نشین شاعر کو کیا یاد کرے۔ جس نے اپنا سب کچھ اپنے ملک کی زبان کو دے ڈالا۔ اپنے موتی ان لوگوں کے سامنے بکھیرے جو سنگریزے اور موتی کا فرق نہ جانتے تھے! مگر کبھی اپنی فطرت کے اس خزانہ کی کوئی قیمت نہ مانگی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے اس بات میں نہ ہندوستان سے شکایت ہے نہ حیدرآباد سے شکوہ! وہ ایک شخص تھا کہ موتی لٹاتا آنسو بہاتا اور اپنے خون جگر کے لئے نہریں کھودتا ہوا گزر گیا۔ اس کی فطرت عالی معاوضہ اور انعام کی روادار ہی نہ تھی۔ لیکن میرے لئے کہنے کو یہ بات ضرور باقی رہ گئی حیدرآباد نے آخر جس گنج گراں مایہ کو اپنے خاک میں دفن کیا اس کی قدر نہ کی۔ نہ مرنے کے بعد اور نہ زندگی میں! اس ناحق شناس کی حکایت کے بغیر میرا یہ مقدمہ نامکمل ہے، ایک دفعہ تو وہ بات کہہ ہی دوں کہ جس کو سن کر حیدرآبادی وطن پرست برا مانیں مگر جواب نہ دے سکے! مجھ سے زیادہ کس کو معلوم ہے کہ اردو زبان کے اس گہوارہ میں ـــ جہاں آج کبھی زبان اور اہل زبان کی قدرافزائی کی جا رہی ہے ـــــ اگر قدرشناسی سے محروم رہا تو صرف "فانی"! بیشک وہ کبھی اس قدرشناسی کا محتاج نہ تھا مگر محروم و محتاج تھے۔ ارباب ذوق کہ وہ فانی کی قدر و قیمت کو پہچاننے کی عزت سے محروم رہے! علم و ادب کے جن مدعیوں کی محفل میں یہ شمع خاموش ہوئی انہوں نے یہ کبھی جانا کہ شمع جب

جلتی ہے جب ہی دوسروں کی آنکھوں کو نور بخشتی ہے۔ سوز و گداز کی جو دولت وہ غربت اور افلاس کی تاریک گلیوں میں بکھیرتا چلا گیا۔ اس کی قدر و قیمت سے کوئی بے سود اواقف نہ ہو سکا، تا آنکہ یہ خاکستر دکن کی مٹی کا پیوند ہو گئی پھر بھی کسی نے نہ جانا کہ وہ کون تھا اور کہاں گیا؟ ارباب ذوق نے اگر کچھ جانا تو صرف اتنا ہی جانا کہ ہندوستان سے تلاش روزگار میں ایک شخص آیا تھا ــــ جیسے کہ بہت سے آتے ہیں ــــ اور وہ ناکام رہا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ جب دو تصنعات کی اس رنگ آمیزی کا جو حیدرآباد کی بہت سی محفلوں کو آراستہ کرتی ہے۔ رنگ و روغن دھل جائے اور اس ملک کی حقیقت نواز نئی نسلیں حیات جدید کے دروازے کھولیں تو شاید وہ آنسو بہائیں اپنے آبا و اجداد کی قدر نا شناسی پر جو اردو زبان میں فلسفہ غم کے سب سے بڑے حقیقت نگار کو یہ نہ جان سکے حتیٰ کہ خود اس کی زبان سے کہلوا لیا کہ:

او این چنیں بزیست کہ گویا خدا نداشت

"فانی" کی موت اور تدفین و تکفین کا وہ منظر میری آنکھوں میں پھر رہا ہے جب آدھی رات کو ان کے چند بے نوا اعزا آرائش بلدہ کے ایک چھوٹے سے مکان کے دروازے پر اس انتظار میں سوگواری کی گھڑیاں گزار رہے تھے کہ کب صبح ہو اور کب وہ اس جسد خاکی کو سپرد خاک کریں۔ بعض احباب کا اصرار تھا کہ جنازہ دھوم سے اٹھایا جائے۔ میرے کانوں میں اس مشت خاک سے یہ آواز آ رہی تھی کہ ہٹاؤ اس زریں کفن کو! وہ اب یہاں نہیں ہے جس کے لئے تم زریں کفن چاہتے ہو! اس ایک مٹھی خاک کو جب

نے دوستوں کا کوئی احسان کبھی گوارا نہ کیا۔ زرکار کفن سے رسوا نہ کرو۔
اس مٹھی بھر خاک کا ہوائیں اڑا دیا جانا بہتر ہے۔ اس سے کہ وہ زربفت
ودیبا کی چادروں میں لپیٹی جائے اور سونے اور چاندی کے صندوقوں میں
رکھی جائے۔ حیدرآباد کے دولت کدوں میں" فانیؔ " کا قدر شناس ــــ
مہاراجہ کشن پرشاد ــــ "فانیؔ" سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔
اس کے بعد کوئی زریں کفن ان زخموں کو ڈھانپ نہ سکتا تھا جو" فانیؔ " کے جسد
معنوی پر ہمیشہ رستے رہے۔

انتقال سے تقریباً ایک سال پہلے ایک دن شام کو میرے یہاں آئے مسکراتے
ہوئے اپنی جیب سے ایک پرچہ نکالا کہنے لگے بھئی قاضی! بس ایک
چیز سنانے آیا ہوں۔ انتظار کر رہا تھا کہ کب یہ لکھی جائے گی۔ آخر
آج صبح یہ چار مصرعے موزوں ہو گئے! میں نے کہا آخر ہے کیا یہ کہ تم صرف
اس کے سنانے کے لئے گھر سے چل کر آ گئے۔ ورنہ یوں تو ہم تمہاری خوشامدیں
کیا کرتے ہیں اور تم دو مصرعے نہیں سناتے! کہنے لگے۔ ذرا سن تو لو! یہ میری
تاریخ وفات ہے۔

او از جہاں گزشت کہ آخر خدا نہ بود
او این چنیں بزیست کہ گوئی خدا نداشت
طغیان ناز بیں کہ بہ لوح مزار او
ثبت است سال رحلت فانیؔ خدا نداشت

۱۳۶۰ھ

کہنے لگے: بس کچھ نہ کہو! یہ بالکل صحیح تاریخ ہے۔ میں نے کہا ظالم آخر یہ کہہ کیا دیا۔ کہنے لگے "خدا انداشت" سے گھبرا گئے اور "طغیانِ ناز" کو نہیں دیکھا!! وفات کے بعد جب یہ مسئلہ پیش تھا کہ اس بے سر و سامان کی قبر کیوں کر بنے اور لوحِ مزار پر کیا لکھا جائے تو کم نظر احباب بہت گھبرائے ہوئے تھے کہ کہیں خود ان کی کہی ہوئی تاریخ وفات نہ لکھوا دی جائے ——! ان بچاروں نے کبھی اس طرف نظر ہی نہ کی "خدا انداشت" کے طنز کا مخاطب اصلی کون تھا! —— تاریخیں لکھنے والوں نے اچھی اچھی تاریخیں لکھیں لیکن شاعرِ غم اپنی وضعداری کو آخر دم تک نبھا گیا —— ساری عمر اس نے "آپ بیتی" لکھی اور آخر دم کبھی اُسی پر اپنی شاعری کو ختم کر گیا اب محفلِ عیش میں سنگِ مرمر کی قبر اور لوحِ مزار کا ذکر کر کے اس انسان کی توہین کیوں کی جائے۔ جو اپنی دنیا کا آپ ہی بادشاہ تھا ——! جن محفلوں میں حسن سراپا تضنع ہو اور عشق تکبیر" آولد" ان محفلوں میں کسی کو اتنا بھی حق حاصل نہیں کہ وہ فانی کا نام زبان پر لائے۔

شمع است دل مرا بہ افروختنی ۔۔۔ جان است بہ ہجر دوست اندوختنی
اے بے خبر از ساختن و سوختنی ۔۔۔ عشق آمدنی بود نہ آموختنی

اُس کی "خودی" دنیا کی ان محفلوں کی بیخودی سے کتنی دور اور کس قدر بلند تھی۔

"فانی" زحیاتِ من آشفتہ چہ پرسند ۔۔۔ مرگے است کہ از ہستی جاوید پیام است!!

قاضی عبدالغفار

۲

یاں ہوش سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا
اس بزم میں ہشیار ہوا بھی نہیں جاتا

کہتے ہو کہ ہم وعدۂ پرسش نہیں کرتے
یہ سن کے تو بیمار ہوا بھی نہیں جاتا

دشواریٔ انکار سے طالب نہیں ڈرتے
یوں سہل تو اقرار ہوا بھی نہیں جاتا

آتے ہیں عیادت کو تو کرتے ہیں نصیحت
احباب سے غمخوار ہوا بھی نہیں جاتا

جاتے ہوئے کھاتے ہو مری جان کی قسمیں
اب جان سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا

غم کیا ہے اگر منزلِ جاناں ہے بہت دور
کیا خاکِ درِ یار ہوا بھی نہیں جاتا

دیکھا نہ گیا اس سے تڑپتے ہوئے دل کو
ظالم سے جفاکار ہوا بھی نہیں جاتا

یہ طرفہ ستم ہے کہ ستم بھی ہے کرم بھی
اور خوگرِ آزار ہوا بھی نہیں جاتا

خوشی سے رنج کا بدلہ یہاں نہیں ملتا
وہ مل گئے تو مجھے آسماں نہیں ملتا

ہزار ڈھونڈئیے اس کا نشاں نہیں ملتا
جبیں ملے تو ملے آستاں نہیں ملتا

مجاز اور حقیقت کچھ اور ہے یعنی
تری نگاہ سے تیرا بیاں نہیں ملتا

بھڑک کے شعلۂ گل تو ہی اب لگا دے آگ
کہ بجلیوں کو مرا آشیاں نہیں ملتا

وہ بدگماں کہ مجھے تابِ رنجِ زیست نہیں
مجھے یہ غم کہ غمِ جاوداں نہیں ملتا

تری تلاش کا فی الجملہ ماحصل یہ ہے
کہ تو یہاں نہیں ملتا وہاں نہیں ملتا

بتا اب اے جرسِ دور میں کدھر جاؤں
نشانِ گردِ رہِ کارواں نہیں ملتا

مجھے بلا کے یہاں آپ چھپ گیا کوئی
وہ میہماں ہوں جسے میزباں نہیں ملتا

تجھے خبر ہے ترے تیرِ بے پناہ کی خیر
بہت دنوں سے دلِ ناتواں نہیں ملتا

کسی نے تجھ کو نہ جانا، مگر یہ کم جانا
یہ راز ہے کہ کوئی رازداں نہیں ملتا

مجھے عزیز سہی قدرِ دل تمہیں کیوں ہو
کمی تو دل کی نہیں دل کہاں نہیں ملتا

دیارِ عمر میں اب قحطِ مہر ہے فانی!
کوئی اجل کے سوا مہرباں نہیں ملتا

○

سرِ ہوش برق گرتی وہ ہجومِ ناز ہوتا
وہ نظر فریب جلوہ جو نظر نواز ہوتا

خبر اپنی مغفرت کی تو نہیں یہ جانتا ہوں
مری توبہ چاہتی ہے درِ توبہ باز ہوتا

مرے شوق نے سکھایا اسے شیوۂ تغافل
نہ مجھے نیاز ہوتا نہ وہ بے نیاز ہوتا

○

حجاب اگر من و تو کا نہ درمیاں ہوتا
پیامِ حسن، محبت کی داستاں ہوتا

تری تلاش کا افسانہ گر بیاں ہوتا
رہِ مجاز کا ہر ذرہ اک زباں ہوتا

مرا وجود ہے، میری نگاہ خود نہ شناس
وہ راز ہوں کہ نہ ہوتا جو رازداں ہوتا

کمالِ ضبطِ غمِ عشق، اے معاذ اللہ
نہیں کہیں سے جو یہ ماجرا بیاں ہوتا

بناءِ جلوہ گہِ ناز ہے، جبینِ نیاز
جو دردِ عشق نہ ہوتا تو دل کہاں ہوتا

تمام قوتِ غم صرفِ دل ہوئی ورنہ
زمیں زمیں ہی نہ ہوتی نہ آسماں ہوتا

سکونِ خاطرِ بلبل ہے اضطرابِ بہار
نہ موجِ بوئے گل اٹھتی نہ آشیاں ہوتا

تری جفا کے سوا بھی ہزار تھے انداز　　کوئی تو اہلِ وفا کا مزاج داں ہوتا

مٹا دیا غمِ فرقت نے ورنہ میں فانی
ہنوز مائلِ مرگِ ناگہاں ہوتا

ہوش ہستی سے تو بیگانہ بنایا ہوتا　　کاش تو نے مجھے دیوانہ بنایا ہوتا

دل میں اک شمع سی جلتی نظر آتی ہے مجھے　　آکے اس شمع کو پروانہ بنایا ہوتا

تیرے سجدوں میں نہیں شانِ محبت زاہد　　سر کو خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا

دل تری یاد سے آباد ہے اب تک ورنہ　　غم نے کب کا اسے ویرانہ بنایا ہوتا

درد دے کر، دلِ فانی کو مٹا دینا تھا
اس حقیقت کو بھی افسانہ بنایا ہوتا

اُن کو شباب کا نہ مجھے دل کا ہوش تھا　　اک جوش تھا کہ محوِ تماشائے جوش تھا

برپا تھا دل کی لاش پہ اک محشرِ سکوت　　تیرے شہیدِ ناز کا ماتم خموش تھا

امیدِ عفو ہے ترے انصاف سے مجھے　　شاید خود گناہ کہ تو پردہ پوش تھا

فردائے حشر خیر سے آنکھوں کا تھا قصور　　ہر رخ مری نگاہ کا تصویرِ دوش تھا

پژمردۂ نگاہ غلط جلوہ خود فریب　　عالم ذلیلِ گمرہئ چشم و گوش تھا

وحشت بعیدِ چاکِ گریباں روا نہیں　　دیوانہ تھا جو معتقدِ اہلِ ہوش تھا

پی اور خود پی ازل میں کہ اتری نہ حشر تک　　یا دش بخیر دل بھی عجب بادہ نوش تھا

محرومیاں ذریعۂ الہام ذکر تھیں　　نالوں پہ انحصارِ پیامِ سروش تھا

فانی تنک بضاعتیٔ غم کا کیا علاج
ہر قطرۂ خونِ دل کا تمنا فروش تھا

دنیائے حسن و عشق میں کس کا ظہور تھا
ہر آنکھ برق پاش تھی ہر ذرہ طور تھا

میری نظر کی آڑ میں ان کا ظہور تھا
اللہ ان کے نور کا پردہ بھی نور تھا

تھی ہر تڑپ سکون کی دنیا لیے ہوئے
پہلو میں آپ تھے کہ دلِ ناصبور تھا

ہم کشتگانِ غم پہ یہ الزامِ زندگی
بے مہر! کچھ تو پاسِ حقیقت ضرور تھا

بالیں پہ تم جب آئے تو آئی وہ موت بھی
جس موت کے لیے مجھے جینا ضرور تھا

تھی ان کے روبرو بھی وہ شانِ اضطراب
دل کو بھی اپنی وضع پہ کتنا غرور تھا

لطفِ حیات بے خلشِ مدعا کہاں
یعنی بقدرِ تلخیٔ صہبا سرور تھا

اٹھ کر چلے تو حشر بھی اٹھنا تھا کیا ضرور
اُن کی گلی سے مدفنِ فانی تو دور تھا

خونِ ناحق کا گلہ تھا کچھ ادب کا جوش تھا
لاش کی صورت زباں تھی اور میں خاموش تھا

نورِ برقِ معرفت بخشا دلِ آگاہ نے
ورنہ پہلے سوزِ غم اک شعلۂ بے ہوش تھا

ہائے کیا دن ہیں کہ نقشِ سجدہ ہیں اور سر نہیں
یاد ہیں وہ دن کہ سر تھا اور وبالِ دوش تھا

عشق کی دنیا زمیں سے آسماں تک شوق تھی
تھا جو کچھ تیرے سوا آغوش ہی آغوش تھا

دل کی ہر کروٹ میں اک دنیا بنی اک مٹ گئی
ہائے ان دو خون کی بوندوں میں کتنا جوش تھا

سرگزشتِ غم کہیے اس کو یا رودادِ عشق
دل کے لب جنبش میں تھے اور میں سراپا گوش تھا

کیا یہ فانی کر رہا تھا عالمِ ہستی کی سیر
آگے آگے بیخودی تھی پیچھے پیچھے ہوش تھا

جلوۂ عشق حقیقت تھی حسنِ مجاز بہانہ تھا — شمع جسے ہم سمجھے تھے شمع نہ تھی پروانہ تھا
شعبدے کے آنکھوں کے ہم نے ایسے کتنے دیکھے ہیں — آنکھ کھلی تو دنیا تھی بند ہوئی افسانہ تھا
عہدِ جوانی ختم ہوا اب مرتے ہیں نہ جیتے ہیں — ہم بھی جیتے تھے جب تک مرجانے کا زمانہ تھا
دل اب دل ہے خدا رکھے ساقی کو میخانے کو — ورنہ کیسے معلوم نہیں، ٹوٹا سا پیمانہ تھا
فانی گو کیا ہی سہی، کچھ بھی تجھی سے نسبت تھی
دیوانہ تھا، تھا کس کا، تیرا ہی دیوانہ تھا

جن خاک کے ذروں پر وہ سایۂ محمل تھا — جو خاک کا ذرہ تھا، وحشت کدۂ دل تھا
بیداد کی ہر تہہ میں سو طرح سے شامل تھا — وہ جان کا دشمن جو کہنے کو مرا دل تھا
غم حسنِ مکمل تھا دل، حیرت کامل تھا — تصویر کا آئینہ، تصویر کے قابل تھا
ہم جی سے گزر جانا آسان سمجھتے تھے — دیکھا تو محبت میں، یہ کام بھی مشکل تھا
آئینہ و دل دونوں کہنے ہی کی باتیں تھیں — تیری ہی تجلی تھی اور تو ہی مقابل تھا
ہر باطل ہے ناحق اک رازِ حقیقت ہے — جب شکل میں حق آیا واللہ باطل تھا
ہاں آپ کسی کو یوں برباد نہیں کرتے — یہ فانیٔ ناکارہ سچ ہے اسی قابل تھا

کیوں جفا کیش کبھی تو بھی جفا کوش نہ تھا — وہ بھی دن تھے کہ خود اپنا ہی تجھے ہوش نہ تھا

اب جو ہیں تو نے وہ کی تھیں نہ بلائیں نازل
زلف بر دوش نہ تھا غمزے ہم دوش نہ تھا

بھول جانے کے سوا اب تجھے کچھ یاد نہیں
کل کی ہے بات کہ تو وعدہ فراموش نہ تھا

بے تکلف نگہِ مست جھکا دیتی تھی
میں تری بزم میں حسرت زدۂ نوش نہ تھا

نگہ شوق نہ تھی کیفِ اثر سے محروم
میری قسمت میں غمِ بادۂ سر جوش نہ تھا

دلِ مشتاق نہ تھا شکوہ طرازِ تبِ ہجر
گلۂ غم کا مرقع لبِ خاموش نہ تھا

ظلمتِ شام میں تھا نورِ سحر کا عالم
آسماں صبح کے ماتم میں سیہ پوش نہ تھا

تجھ میں اور تیرے تصور میں جدائی تھی محال
درمیاں کوئی حجابِ غمِ آغوش نہ تھا

یادِ ایام کہ فانی کے سوا تیرا ذکر
فتنۂ ہر لب و آوارۂ ہر گوش نہ تھا

ترا نگاہِ شوق کوئی رازداں نہ تھا
آنکھوں کو ورنہ جلوۂ جاناں کہاں نہ تھا

عالم جز اعتبارِ نہاں و عیاں نہ تھا
یعنی کہ تو عیاں نہ ہوا اور نہاں نہ تھا

اب تک تری گلی میں یہ رسوائیاں نہ تھیں
اب تک تو اس زمیں پہ کوئی آسماں نہ تھا

کیا دن تھے جب مآلِ وفا کی خبر نہ تھی
وہ دن بھی تھے کہ حالِ وفا داستاں نہ تھا

تلقینِ صبر دل سے کوئی دشمنی نہ تھی
دیکھا یہ حال قابلِ شرحِ بیاں نہ تھا

مفہومِ کائنات، تمہارے سوا نہیں
تم چھپ گئے نظر سے تو سارا جہاں نہ تھا

ہر شاخِ ہر شجر سے نہ تھی بجلیوں کو لاگ
ہر شاخِ ہر شجر پہ مرا آشیاں نہ تھا

آغوشِ موت میں ہوں تہِ دامانِ یار ہوں
وہ دن گئے کہ مجھ پہ کوئی مہرباں نہ تھا

آزردہ تھا کہ ضبطِ فغاں میں اثر نہیں
شرمندہ ہوں کہ ضبطِ فغاں رائیگاں نہ تھا

ہو بھی چکے تھے دامِ محبت میں ہم اسیر عالم ابھی بقیدِ زبان و مکاں نہ تھا
اللہ رے بے نیازئ آدابِ التفات دیکھا مجھے تو پائے نظر درمیاں نہ تھا
میرے دلِ غیور کا حسنِ طلب تو دیکھ گویا زباں پہ حرفِ تمنا گراں نہ تھا
تونے کرم کیا تو بہ عنوانِ رنج و زیست غم بھی مجھے دیا تو غمِ جاوداں نہ تھا

فانیؔ فنونِ موت کی تاثیر دیکھنا
ٹھیرا وہ دل کہ جس پہ سکوں کا گماں نہ تھا

○

زیست کا حاصل بنا دیا دل، جو گویا کچھ نہ تھا
غم نے دل کو دل بنایا، ورنہ کیا تھا کچھ نہ تھا
وہ تو میرے سامنے تھے، دیکھنے کی دیر تھی
میں نے آنکھیں بند کر لیں، ورنہ پردہ کچھ نہ تھا
یا الم کوشی رہی، یا خود فراموشی رہی
دل کسی دن دل نہ تھا یا درد تھا یا کچھ نہ تھا
کچھ سمجھ کر خود ہی ہم نے جان دیدی دل کے ساتھ
اُن کی نظروں کا ابھی ایسا تقاضا کچھ نہ تھا
آپ کا دیوانہ تھا، یہ ادعا باطل سہی
فانیؔ دیوانہ، دیوانہ کبھی تھا یا کچھ نہ تھا

○

یوں نظمِ جہاں درہم و برہم نہ ہوا تھا ایسا کبھی ترے حسن کا عالم نہ ہوا تھا

پھر چھیڑ دیا وسعتِ محشر کی فضا نے
سودا ترے وحشی کا کبھی کم نہ ہوا تھا

یا عشرتِ دوروزہ تھا یا حسرتِ دیروز
وہ لمحۂ ہستی جو کبھی غم نہ ہوا تھا

صد حیف، وہ گل سوکھ کفِ گلچیں میں جو اب تک
آزردۂ آویزشِ شبنم نہ ہوا تھا

قاتل ہی مرا کیوں اُٹھے کہتا ہے زمانہ
مانا وہ شریکِ صفِ ماتم نہ ہوا تھا

راز آج مرے دم سے ہوا رازِ محبت
کچھ راز نہ تھا جب کوئی محرم نہ ہوا تھا

پاتے ہی خجل رحم کا دریا، امڈ آیا
پردہ مری آنکھوں کا کبھی نم نہ ہوا تھا

رسوا نہ کر اس سوز کو اے شمع لبِ گور
جو واقفِ دل سوزیٔ ہمدم نہ ہوا تھا

گھر خیر سے تقدیر نے ویرانہ بنایا
سامانِ جنوں مجھ سے فراہم نہ ہوا تھا

اک کفرِ سراپا نے کیا حشر کا قائل
میں معتقدِ حشرِ مجسم نہ ہوا تھا

ہر دل میں نئی شانِ تجلی ہے کہ فانی
نشتر ہے وہ انداز جو مرہم نہ ہوا تھا

زندگی کا کوئی پہلو ہی نہ تھا جو غم نہ تھا
ہوش کا سودا جنونِ عاشقی سے کم نہ تھا

یوں نہ کٹتے محو دمِ مرگِ ناگہاں بیمارِ عشق
وہ کبھی دن کٹتے جب مزاجِ زندگی برہم نہ تھا

مجھ سے ہر جلوے نے سیکھا اپنا رازِ قلبِ سنگ
ورنہ حسنِ دوست کا آگے تو یہ عالم نہ تھا

دل کی قسمت ہی بُری تھی ورنہ کوئے دوست میں
تھا کوئی ذرہ؟ جو دل کے درد کا محرم نہ تھا

رسمِ خودداری سے گو واقف نہ تھی دنیائے عشق
پھر بھی اپنا زخمِ دل شرمندۂ مرہم نہ تھا

رفتۂ بیمِ خزاں تھی اس چمن کی ہر بہار
خندۂ گل تھا مگر بے گریۂ شبنم نہ تھا

عرش کی منزل بھی تھی گیا بارگاہِ قلبِ دوست
کیا اب اتنا بھی اس آہِ نارسا میں دم نہ تھا

دل میں فانی اک نہ اک ہنگامہ برپا ہی رہا
شوق تھا جب تک کسی کے شوق کا ماتم نہ تھا

○

عشق رسوا کبھی کسی کا نازِ معشوقانہ تھا
ہر محبت کا فسانہ حسن کا افسانہ تھا

قہر کی حد تک کبھی تھا دشوار حسن کا التفات
مہر کی ان سے توقع میں کوئی دیوانہ تھا

ان کے آگے کھل گیا تھا شمع کا سارا فریب
رات بزمِ دوست میں پروانہ ہی پروانہ تھا

عشق اور مایوسیاں، مایوسیاں کہنے کو ہیں
عہدِ ترکِ آرزو خود آرزو مندانہ تھا

آپ کے غم کی بدولت دونوں عالم جمع ہیں
ورنہ دل کچھ بھی نہ تھا، دیکھے اک ویرانہ تھا

وہ بھی کتنی تھی مذاقِ دید کی منزل سے دور
جس نظر میں امتیازِ کعبہ و بت خانہ تھا

آسماں سے ہو چکا ساری بلاؤں کا نزول
جس پہ آتی تھیں بلائیں وہ مرا غم خانہ تھا

ہم قیامت کو قیامت ہی نہ سمجھے صبحِ حشر
حشر تک آنکھوں میں شاید جلوۂ جانانہ تھا

ہم نے پوچھا حالِ فانی اور یہ سمجھے کچھ کہا
بات تو کچھ بھی نہ تھی اک نالۂ بیمارانہ تھا

○

بجلیاں ٹوٹ پڑیں جب وہ مقابل سے اٹھا
مل کے پلٹی تھیں نگاہیں کہ دھواں دل سے اٹھا

جلوۂ محسوس سہی آنکھ کو آزاد تو کر
قیدِ آدابِ تماشا بھی تو محفل سے اٹھا

پھر تو مضرابِ جنوں سازِ انا لیلیٰ چھیڑ
ہائے وہ شور "انا القیس" کہ محمل سے اٹھا

اختیار اک ادا تھی مری مجبوری کی
لطفِ سعیِ عمل اس مطلبِ حاصل سے اٹھا

عمرِ امید کے دو دن بھی گراں تھے ظالم
بارِ فردا نہ ترے وعدۂ باطل سے اٹھا

خبرِ قافلۂ گم شدہ کس سے پوچھوں
اک بگولہ بھی نہ خاکِ رہِ منزل سے اٹھا

ہوش جب تک ہے گلا گھونٹ کے مر جانے کا
دمِ شمشیر کا احساں ترے بسمل سے اٹھا

موت ہستی پہ وہ تہمت تھی کہ آساں نہ تھی — زندگی مجھ پہ وہ الزام کہ مشکل سے اٹھا

کس کی کشتی تہِ گرداب فنا جا پہنچی
شورِ لبیک، جو فانی لبِ ساحل سے اٹھا

ستمِ گردشِ ایام اٹھا — ہر سحر اٹھ کے غمِ شام اٹھا
تم جسے در سے اٹھا دیتے تھے — آج دنیا سے وہ ناکام اٹھا
عشق کا اک قصور اور سہی — موت کے سر سے تو الزام اٹھا
ابر اٹھا سمتِ حرم سے زاہد — تو بھی سجادہ الٹ جام اٹھا

ہل گئی پھر مرے دل کی دنیا
درد پھر لے کے ترا نام اٹھا

بیگانۂ اختیار ہو جا — راضی بہ رضا یار ہو جا
جینے کو یہ آسرا بہت ہے — اچھا ہے امیدوار ہو جا
غیرت ہو تو غم کی جستجو کر — ہمت ہو تو بے قرار ہو جا
اے درد یہ چٹکیاں کہاں تک — اٹھ اور جگر کے پار ہو جا
ماتم کدۂ وفا ہے عالم — فانی دلِ سوگوار ہو جا

محتاجِ اجل کیوں ہے، خود اپنی قضا ہو جا
عزت ہو تو مرنے سے، پہلے ہی فنا ہو جا

اے شوقِ طلب بڑھ کر مجنونِ ادا ہو جا
اے ہمتِ مردانہ! راضی بہ رضا ہو جا
آغوشِ فنا میں ہم پروردۂ آفت ہیں
اے فتنۂ دوراں اٹھ اک حشر بپا ہو جا
صدا اور یہ صدا اے دل! اچھا تو خدا حافظ
قربان ہی اس بت پر ہوتا ہے تو جا ہو جا
اس جانِ تمنا سے بے پردہ نہ شکوہ کر
وہ تجھ سے خفا ہے تو جینے سے خفا ہو جا
ہر قافلۂ دل کو تو مژدۂ منزل دے
ہر راہ گزرِ غم میں نقشِ کفِ پا ہو جا
یہ دردِ محبت بھی کیا شے ہے معاذ اللہ
میں دردِ محبت سے کہتا ہوں ہوا ہو جا
ظالم کا نہ شکوہ کر ظلموں کی نہ پروا کر
تو اپنی وفاؤں کی عزت پہ فدا ہو جا
اس ہستیِ فانی سے کر قطعِ نظر فانیؔ
تو دوست کا طالب ہے دشمن سے جدا ہو جا

○

ناکام ہے تو کیا ہے کچھ کام پھر بھی کر جا
مردانہ وار جی اور مردانہ وار مر جا

دنیا کے رنج و راحت، کچھ ہوں، تری بلا سے
دنیا کی ہر ادا سے، منہ پھیر کر، گزر جا
اس بحرِ بے کراں میں، ساحل کی جستجو کیا
کشتی کی آرزو کیا، ڈوب اور پار کر جا
یہ دعوئ "خبر" ہی عصیاں کبھی ہے، سزا بھی
بے ہوش و بے خبر رہ، بے خوف و بے خطر جا
کثرت میں، دیکھتا جا تکرارِ حسنِ وحدت
مجبورِ یک نظر آ، ممتازِ صد نظر جا
یہ میکدہ ہے، پاسِ آدابِ میکدہ کر
آ دل خراب آ، اور آخر خراب تر جا
گھبرا گیا، خرد کی تاریکیوں سے فانی
اے نورِ عشق، دل کی گہرائیوں میں بھر جا

تو اور درِ جاناں، مگر اپنی سی تو کر جا
قسمت کو رسائی نہیں منظور، مگر جا
ہستی و فنا، راحت و ایذا، سے گزر جا
جب سرحدِ دل سامنے آ جائے ٹھہر جا
بھر لے نگہِ آخرِ بے رنگ میں ہر رنگ
دنیا کو بھی لیتا ہوا دنیا سے گزر جا

خالی لیے بیٹھا ہوں تری بزم میں ساغر
مے میرے مقدر میں نہیں، زہر ہی بھر جا
ہے موت ہی اک زندگیٔ دل کا سہارا
جینے کی جو ایسی ہی تمنا ہے، تو مر جا
سرکارِ محبت میں خبر بے ادبی ہے
اے نشۂ دیوانگی! ہوش اتر جا
اک عمر پرستارِ شبِ ہجر رہا تھا
اے زلفِ سیہ ماتمِ فانیؔ میں بکھر جا

○

خود برق ہوا اور طورِ تجلّی سے گزر جا
خود شمع بن، اور وادیٔ سینا سے گزر جا
بے واسطۂ خود نگری اپنی طرف دیکھ
آئینہ اٹھا، حسنِ خود آرا سے گزر جا
یہ نقشِ قدم ہیں، رہِ بے منزلِ دل میں
فردا تو ہے فردا، پسِ فردا سے گزر جا
اپنی ہی نگاہوں کا یہ نظارہ کہاں تک
اس مرحلۂ سعیٔ تماشا سے گزر جا
ذرّے میں ہے گم، وسعتِ صد عالمِ صحرا
ذرّے کو سمجھ وسعتِ صحرا سے گزر جا

کر قطعِ نظر وسوسۂ قلب و نظر سے
ہر جلوۂ پوشیدہ و پیدا سے گزر جا

کعبہ ہو کہ ہو دیر، وہ دنیا ہو کہ عقبےٰ
ہر منزل و ہر جادہ و ہر جا سے گزر جا

اے عزمِ خبر، ہوش کے پردوں کو الٹ دے
اے ذوقِ نظر، محملِ لیلیٰ سے گزر جا

یوں سب کو کھلا دے کہ تجھے کوئی نہ بھولے
دنیا ہی میں رہنا ہے تو دنیا سے گزر جا

اٹھ بزمِ تحیر سے وہ کہتے ہیں ادھر آ
جا اور حدِ امکانِ تمنا سے گزر جا

ہے دیدۂ دل کھول وہ کہتے ہیں ادھر دیکھو
دیکھ اور حدِ آدابِ تماشا سے گزر جا

کشتی کا سہارا ہی تو گرداب ہے فانی
دریا ہی میں تو ڈوب کے دریا سے گزر جا

مزاجِ دہر میں ان کا اشارہ پائے جا
جو ہو سکے تو بہر حال مسکرائے جا

بہارِ صد چمنستانِ آرزو بن کر
مرے خیال کی رنگینیوں میں آئے جا

خرد نواز نگاہوں کی آڑ میں رہ کر
فضائے عالمِ دیوانگی پہ چھائے جا

پلائے جا کہ ابھی ہوشِ بے خودی ہے مجھے
پلائے جا تجھے ساقی ابھی پلائے جا

دل و جگر پہ گزر جائے گی جو گزرے گی — تری نظر سے جو فتنے اٹھیں اٹھائے جا
ذرا ٹھہر کہ اب انجامِ سوزِ غم ہے قریب — چراغِ زیست بھڑکنے کو ہے بجھائے جا

سکوتِ میّتِ فانیؔ ہے اک فسانۂ عشق
لبِ خموش سے ہر مدّعا کو پائے جا

یہ کس قیامت کی بے کسی ہے نہ میں ہی اپنا نہ یار میرا
نہ خاطرِ بے قرار میری نہ دیدۂ اشکبار میرا
نشانِ تربت عیاں نہیں ہے نہیں کہ باقی نشاں نہیں ہے
مزار میرا کہاں نہیں ہے کہیں نہیں ہے مزار میرا
وصال تیرا خیال تیرا جو ہو تو کیوں کر نہ ہو تو کیوں کر
نہ تجھ پہ کچھ اختیار میرا نہ دل پہ کچھ اختیار میرا
نگاہِ دل دوز کی دہائی جمالِ جاں سوز کی دہائی
رہِ محبت میں غم نے لوٹا شکیب و صبر و قرار میرا
میں دردِ فرقت سے جاں بلب ہوں تمہیں یقینِ وفا نہیں ہے
مجھے نہیں اعتبار اپنا تمہیں نہیں اعتبار میرا
قدم نکالو اب تو گھر سے باہر جو دم کبھی سینے سے سہل نکلے
دکھا نہ اب انتظار اپنا لحد کو ہے انتظار میرا
سنا ہے اٹھا ہے اک بگولہ جلو میں کچھ آندھیوں کو لے کر
طوافِ دشتِ جنوں کو شاید گیا ہے فانیؔ غبار میرا

وہ کہتے ہیں کہ ہے ٹوٹے ہوئے دل پر کرم میرا
مگر منجملۂ آدابِ غم خواری ہے غم میرا

وہاں سجدے سے اب تک قدسیوں کے سر نہیں اٹھتے
پڑا اکثر جس جگہ راہِ محبت میں قدم میرا

زہے تقدیر ناکامی کہ تیری مصلحت ٹھہری
تری مرضی سے وابستہ ہوا اللہ رے غم میرا

نہ جانیں اس سفر کی منزلِ اول کہاں ہوگی
فنا کی آخری منزل پہ ہے پہلا قدم میرا

مرے جوشِ طلب کی شانِ استغنا کوئی دیکھے
کہ میں رہبر سے آگے، مجھ سے آگے ہے قدم میرا

میں وہ آزردۂ وہمِ مسرت ہوں معاذ اللہ
کہ غم کو غم سمجھنے سے بھی گھبراتا ہے دم میرا

یہ محرومِ تبسم میرے سامانِ تبسم ہے
تری بزمِ طرب میں معتبر ہے اشکِ غم میرا

اب آگے کس سے لکھا جائے آغازِ محبت پر
فسانہ ختم کر دیتے ہیں اربابِ قلم میرا

مری آوارگی ہر قید سے بیزار ہے شاید
کہ اب اس کی گلی میں بھی گزر ہوتا ہے کم میرا

بقا کہتے ہیں جس کو وہ مرا احسان ہے فانیؔ
وہ حادثہ ہوں کہ دنیائے قدم بھرتی ہے دم میرا

○

رازِ دل سے نہیں واقف دلِ ناداں میرا
ترے عرفاں سے بھی دشوار ہے عرفاں میرا
اڑ چلے کیوں مری وحشت کے بکھرے ہوئے تار
کس کے دامن سے الجھتا ہے گریباں میرا
جلوۂ آتشِ پنہاں، جسے "غم" کہتے ہیں
"دل" ہوا جس سے وہی شعلۂ عریاں میرا
کیوں جنوں، پھر نہ بیاباں میں بہار آئی ہو
بڑھ چلا ہے مرے دامن سے گریباں میرا
کھول دے رازِ فریبِ غم و راحت، نہ کہیں
خندۂ عیش پہ "یہ گریۂ حیراں میرا
فطرتِ عشق کی آزاد اداؤں کو تو دیکھ
وسعتِ عالمِ تخئیل ہے زنداں میرا
آ دمِ نزع ادراک وعدۂ فردا بھی سہی
جان کے ساتھ نکل جائے نہ ارماں تیرا
چشمِ تر، حاصلِ آثارِ جنوں ہے فانیؔ
کھو گیا ہے اسی دریا میں بیاباں میرا

○

ادائے ہر نگہِ التفات نے مارا
نویدِ مرگ و وعیدِ حیات نے مارا

یہی نہ ایک حقیقت کہ سب نیاز ہے تو
دلِ غیور کو اتنی سی بات نے مارا

کسی کے جلوۂ طاقت ربا کو کیا دیکھوں
شکستِ رنگِ رخِ کائنات نے مارا

جمالِ مطلقِ بے نام کی دہائی ہے
فریبِ ذات نے لوٹا صفات نے مارا

ہلاکِ تلخیٔ تاخیرِ موت ہوں فانی
ثباتِ زندگیٔ بے ثبات نے مارا

اللہ رے فسوں گر تری آنکھوں کا اشارا
پھر دل نے لیا دردِ محبت کا سہارا

موجوں سے کبھی گزرے نہ دریا کو کبھی دیکھا
ملتا ہے کہیں بحرِ محبت کا کنارا

احساسِ محبت ہی مری موت ہے فانی
اس زندگیٔ دل نے مجھے جان سے مارا

○

ساقی اسی میں ڈال دے سب زندگی کے خم
آیا ہے آج ہاتھ میں ساغر شراب کا

لالے پہ جھک پڑی ہے گلِ یاسمیں کی شاخ
یا دستِ نازنیں میں ہے ساغر شراب کا

ناوکِ ناز ترا کوئی خطا کرتا ہے ✦ اڑ گیا ایک اشارے میں نشانہ دل کا
حسرتیں، جن کے نکلنے کی نہیں کچھ امید ✦ ڈھونڈتی پھرتی ہیں سینے میں ٹھکانہ دل کا
ہائے وہ دھن تجھے، مشقِ ستم بے جا کی ✦ ہائے وہ روز نئے ظلم اٹھانا دل کا
ہائے وہ جوشِ جنوں، ہائے وحشتِ فانی ✦ یاد آتا ہے ہمیں، ہائے زمانہ دل کا

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا
مختصر قصۂ غم یہ ہے کہ دل رکھتا ہوں
رازِ کونین، خلاصہ ہے اس افسانے کا

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مر جانے کا
تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ دیکھو نہ تماشا مرے غم خانے کا
اب اسے دار پہ لے جا کے سلا دے ساقی
یوں بہکنا نہیں اچھا ترے مستانے کا
دل سے پہنچی تو ہیں آنکھوں میں لہو کی بوندیں
سلسلہ شیشے سے ملتا تو ہے پیمانے کا

ہڈیاں ہیں کئی لپٹی ہوئی زنجیروں میں
لیے جاتے ہیں جنازہ ترے دیوانے کا

ہر نفس عمرِ گزشتہ کی ہے میّت فانیؔ
زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا
ایک گوشہ ہے یہ دنیا اسی ویرانے کا

حسن ہے ذات مری عشق صفت ہے میری
ہوں تو میں شمع مگر بھیس ہے پروانے کا

کعبہ کو دل کی زیارت کے لیے جاتا ہوں
آستانہ ہے حرم میرے صنم خانے کا

وحدتِ حسن کے جلووں کی یہ کثرت اے عشق
دل کے ہر ذرے میں عالم ہے پری خانے کا

چشمِ ساقی اثرِ مے سے نہیں ہے گل رنگ
دل مرے خون سے لبریز ہے پیمانے کا

لوحِ دل کو غمِ الفت کو قلم کہتے ہیں
کُن ہے اندازِ رقم حسن کے افسانے کا

ہم نے چھانی ہیں بہت دیر و حرم کی گلیاں
کہیں پایا نہ ٹھکانا ترے دیوانے کا

کس کی آنکھیں دمِ آخر مجھے یاد آتی ہیں
دل مرقع ہے چھلکتے ہوئے پیمانے کا

کہتے ہیں کیا ہی مزے کا ہے فنا نہ فانی
آپ کی جان سے دور آپ کے مر جانے کا

○

ٹوٹا طلسمِ ہستیِ فانی کے راز کا
احسان مند ہوں المِ جاں گداز کا

تمہیدِ صد ہزار قیامت ہے ہر نفس
عنوانِ شوق ہوں گلہ ہائے دراز کا

عبرت سرائے دل میں ہوں آوازِ دور باش
مارا ہوا ہوں خاطرِ حسرت نواز کا

اٹھتی نہیں ہے تہمتِ نظارۂ جمال
منہ دیکھتا ہوں جلوۂ نظارہ ساز کا

نا آشنائے لطف ہوں بیگانۂ عتاب
صورت شناس ہوں نگہِ امتیاز کا

احساسِ غیر بادہ گوارا ہوا مجھے
لا جام ساقیا مئے مینا گداز کا

فانی دوائے دردِ جگر زہر تو نہیں
کیوں ہاتھ کانپتا ہے مرے چارہ ساز کا

○

ہل گیا زنداں بُرا ہو نالۂ شبگیر کا
چونک اٹھا گھبرا کے ہر حلقہ مری زنجیر کا

میری تدبیروں کی مشکل اب تو یارب سہل کر
کیا یہ ساری عمر منہ تکتی رہیں تقدیر کا

میرے دل سے پوچھتے ہیں آپ کیا وجہ خلش
یاد ہے گم ہو گیا تھا کوئی پیکاں تیر کا

عشق کا بھی کیا تصرف ہے کہ دل اپنا نہیں
آئینہ ہے غم کی جیتی جاگتی تصویر کا

آپ کی آزردگی بے سبب بھی خوب ہے
کیا مزے کا ہے تقاضہ عذرِ بے تقصیر کا

کس نظر سے تم نے دیکھا اپنے دامن کی طرف
کانپ اٹھا ہر ذرہ میری خاکِ دامنگیر کا

برق کو اب کیا غرض کیا رہ گیا کیا جل گیا
جل گیا خرمن میں جو کچھ تھا مری تقدیر کا

فکرِ راحت چھوڑ بیٹھے ہم تو راحت مل گئی
ہم نے قسمت سے لیا جو کام تھا تدبیر کا

نامرادی حد سے گزری حالِ فانی کچھ نہ پوچھ
ہر نفس ہے اک جنازہ آہِ بے تاثیر کا

یہ نیازِ عاشق ہے اور وہ ہے ناز ان کا
موت رازِ عاشق ہے زندگی ہے راز اُن کا

لطفِ اضطراب اٹھے یا مرا نقاب اٹھے
کیا پیام لائی ہے آپ شبِ دراز اُن کا

دل پہ جو نگاہیں تھیں رفتہ رفتہ آہیں تھیں
عشق بن گیا آخر حسن جلوہ ساز ان کا

وہ نگاہ پھر اٹھ کر آئینے سے ٹکرائی
صرف تازیانہ ہے پھر سمندِ ناز اُن کا
وہ ستم نہیں کرتے، یوں کرم نہیں کرتے
لطفِ خاص، بے منت، چاہتا ہے ناز ان کا
رفتۂ نظر ہو جا، سب سے بے خبر ہو جا
کھل گیا ہے راز اپنا کھل نہ جائے راز اُن کا
موت کو تو یوں فانیؔ جان دی نہیں جاتی
ڈھونڈ لے کوئی حیلہ یہ بہانہ باز اُن کا

جمال، بے حجاب تھا کہ جلوہ تھا حجاب کا
کلیم برقِ طور تھی کہ تار تھا نقاب کا
بتائیے نہ حالِ دل، نہ حال پوچھتا ہوں میں
مآل پوچھتا ہوں میں، دلِ وفا خراب کا
تجلیاتِ وہم ہیں، مشاہداتِ آب و گِل
کرشمۂ حیات ہے خیال، وہ بھی خواب کا
دلِ اذیت آفریں، زمینِ امتحاں نہیں
خدائے بے نیاز ہے جہانِ اضطراب کا
خطابِ روزِ حشر کی صدائے بازگشت ہوں
جوابِ بے سوال ہوں، سوالِ بے جواب کا

جہانِ بے سکون میں، سکون ہی سکون تھا
مری نگاہِ مضطرب ہے رازِ انقلاب کا

وہ صرفِ صد یقیں سہی حیات پھر حیات ہے
کہاں سے لاؤں اعتبار مرگِ کامیاب کا

○

گل میں وہ اب نہیں ہے جو عالم تھا خار کا
اللہ کیا ہوا وہ زمانہ بہار کا

ہر ذرہ جلوہ گاہ ہے، ہر دل ہے چشمِ شوق
اللہ رے اہتمام تماشائے یار کا

چاہتا ہوں آج بھی خلش خلشِ نوکِ خار میں
بھولا نہیں ہوں لطفِ تبسم بہار کا

تنکوں سے کھیلتے ہی رہے آشیاں میں ہم
آیا بھی اور گیا بھی زمانہ بہار کا

آئی ہے اے نسیم تو اس وقت تک ٹھہر
جب تک بجھے چراغ، ہمارے مزار کا

میں نزع میں ہوں، عہدِ وفا کا محل نہیں
وعدہ نہ کر کہ وقت نہیں اعتبار کا

جو تیری یاد میں نہ بسر ہو وہ ہر نفس
اک واہمہ ہے زندگیٔ مستعار کا

یہ دردِ لاعلاجِ محبت، دوا بھی ہے
تھا ورنہ کچھ علاجِ غمِ روزگار کا
فانی یقینِ وعدۂ فردا کو کیا کہوں
اب زندگی ہے نام فقط انتظار کا

○

جگر خراش ہے حال اُن تباہ حالوں کا
جنہیں مٹا کے رہا حوصلہ خیالوں کا
کیا سوال تو آوازِ بازگشت آئی
جواب مجھ سے طلب ہے مرے سوالوں کا
جنونِ شکوۂ بیداد پر خدا کی مار
اثر کے ساتھ گیا اعتبار نالوں کا
تعینات کی حد سے گزر رہی ہے نگاہ
بس اب خدا ہی خدا ہے نگاہ والوں کا
کسی کی غم کی کہانی ہے زندگی فانی
زمانہ اک لبِ فسانہ ہے مرنے والوں کا

○

نام بدنام ہے ناحق شبِ تنہائی کا
وہ بھی اک رخ ہے تری انجمن آرائی کا
آچلا ہے مجھے کچھ وعدۂ فردا کا یقیں
دل پہ الزام نہ آجائے شکیبائی کا
اپنے کانٹوں سے ہی کچھ لاگ نہ پھولوں سے لگاؤ
ہم نے دیکھا ہے تماشا تری رعنائی کا
دونوں عالم سے گزر کر بھی زمانہ گزرا
کچھ ٹھکانا بھی ہے اس بادیہ پیمائی کا
خود ہی بیتاب تجلی ہے ازل سے کوئی
دیکھنے کے لیے پردہ ہے تمنائی کا
لگ گئی بھیڑ یہ دیوانہ جدھر سے گزرا
اک عالم کو ہے سودا ترے سودائی کا
پھر اسی کافرِ بے مہر کے در پہ فانی
لے چلا شوق مجھے ناصیہ فرسائی کا

شکوہ سمجھو نہ کم نگاہی کا — حال دیکھو مری تباہی کا
دے غمِ عشق دل کو غم سے پناہ — واسطہ اپنی بے پناہی کا
دوسرا نام ہے شبِ فرقت — میری تقدیر کی سیاہی کا
بخش دے جبرِ گل کے صدقے میں — ہر گنہ میری بے گناہی کا
آپ کا نام لینے والوں کو — فقر کا ہوش ہے نہ شاہی کا
فطرتِ اختیارِ حشر کے دن — آسرا ہے تری گواہی کا
کیا کہوں جی رہا ہوں کیوں فانیؔ — مقتضائے حکمتِ الٰہی کا

دل کو مٹا کر روح کو تن سے حکم نہ دے آزادی کا
کوئی تماشا دیکھنے والا چاہیے اس بربادی کا
یوں ترے غم نے دل میں جگہ کی گویا دیدی غم سے نجات
دید کے قابل منظر ہے اس آمدِ غم کی شادی کا
ظلم سے تم توبہ نہ کرو گے آہ سے کیوں باز آئیں ہم
تم نہ سہی فریادی کے اللہ تو ہے فریادی کا
یاد ہے وہ نومیدی میں ہلکی سی جھلک امیدوں کی
ہائے وہ دل کے ویرانے پہ دھوکا سا آبادی کا
فانیؔ جب دل پاس نہ ہو تو لطفِ تماشا کچھ بھی نہیں
حال کسی سے کیا کہیے کشمیر کی دل کش وادی کا

○

جذبِ محبت بھی کیا شے ہے، اُن کا چاہا ہو نہ سکا
وہ میرے دل سے کیا چھپتے آنکھوں سے بھی پرپا ہو نہ سکا
عزت رسوائی بھی کہیں تدبیر سے حاصل ہوتی ہے
حیف ہے اس کی قسمت پر، جو عشق میں رسوا ہو نہ سکا
یاس و امید سے کام نہ نکلا دل کی تمنا دل میں رہی
ترکِ تمنا کر نہ سکے، اظہارِ تمنا ہو نہ سکا
جس سے دل میں زخم پڑے تھے پھر وہ نظر مرہم نہ ہوئی
تم نے جسے اچھا نہ کیا پھر تم سے بھی اچھا ہو نہ سکا
جس کی چمک ذروں میں نہیں، وہ مہرِ عالم تاب نہیں
جو نہ سمایا قطرے میں، وہ دریا، دریا ہو نہ سکا
جامِ دمِ رخصت ہی نہ دی، تو فانیؔ تجھ سے کیا امید
ہجر کی پہلی فرصت میں بھی تجھ سے آنا ہو نہ سکا

○

تری ترچھی نظر کا تیر ہے مشکل سے نکلے گا
دل اس کے ساتھ نکلے گا اگر یہ دل سے نکلے گا
شبِ غم میں بھی میری سخت جانی کو نہ موت آئی
ترا کام اے اجل، اب خنجرِ قاتل سے نکلے گا
نگاہِ شوق، میرا مدعا تو اُن کو سمجھا دے
مرے منہ سے تو حرفِ آرزو مشکل سے نکلے گا

کہاں تک کچھ نہ کہیے اب تو نوبت جان تک پہنچی
تکلف برطرف اے ضبطِ نالہ دل سے نکلے گا
تصور کیا ترا آیا قیامت آگئی دل میں
کہ اب ہر ولولہ باہر مزارے دل سے نکلے گا
نہ آئیں گے وہ تب بھی دم نکل جائے گا اے فانیؔ
مگر مشکل سے نکلے گا بڑی مشکل سے نکلے گا

جسے ترکِ حسرت کا ارمان ہوگا
پشیمان سا وہ پشیمان ہوگا
ادائے تغافل کے مارے ہوؤں پر
ستم بھی کروگے تو احسان ہوگا
جسے لوگ کہتے ہیں عشاق کا دل
وہ تیرے ہی ملنے کا ارمان ہوگا
ترے عہد آزاد میں جوشِ وحشت
گریبان گویا گریبان ہوگا
نہیں کچھ وفاؤں پہ موقوف ظالم
مرے بعد تو بھی پشیمان ہوگا
برا تو نہیں خواہ کچھ بھی ہو فانیؔ
وہ کافر نہ ہوگا مسلمان ہوگا

بے اصل کام نہ اپنا کسی عنوان نکلا
دم تو نکلا مگر آزردۂ احساں نکلا
آگئی ہے ترے بیمار کے منہ پر رونق
جان کیا جسم سے نکلی کوئی ارماں نکلا
دل آگاہ سے کیا کیا ہمیں امیدیں تھیں
وہ بھی قسمت سے چراغِ تہِ داماں نکلا
دل بھی منہ سے بس اک آہ نکل جانے تک
آگ سینے میں لگا کر غمِ پنہاں نکلا

چارہ گر ناصحِ مشفق دلِ بے صبر و قرار
جو ملا عشق میں غمخوار وہ ناداں نکلا

شکوہ منظور نہیں تذکرۂ عشق نہ چھیڑ
کہ وہ در پردہ مرا حالِ پریشاں نکلا

بجلیاں شاخِ نشیمن پہ کبھی جاتی تھیں
کیا نشیمن سے کوئی سوختہ ساماں نکلا

اب جنوں سے کبھی توقع نہیں آزادی کی
چاک داماں بھی بہ اندازۂ داماں نکلا

ہائے وہ وعدۂ فردا کی مدد وقتِ اخیر
ہائے وہ مطلب دشوار کہ آساں نکلا

شوقِ بیتاب کا انجام تحیر پایا
دل سمجھتے تھے جسے دیدۂ حیراں نکلا

اُس نے کیا سینۂ صد چاک سے کھینچا تھا تیر
دل میں کہتا ہوں وہ کہتا ہے کہ پیکاں نکلا

○

وائے نادانی یہ حسرت تھی کہ ہوتا در کھلا
ہم قفس رازِ اسیری کیا کہیں کیوں کر کھلا

فرصتِ رنجِ اسیری دی نہ ان دھڑکوں نے ہائے
اب چھری صیاد نے لی اب قفس کا در کھلا

اللہ اللہ اک دعائے مرگ کے دو دو اثر
واں کھلا بابِ اجابت یاں قفس کا در کھلا

اُف اس آزادئ بے ہنگام کی مجبوریاں
میں قفس کے پاس یوں بیٹھا ہی رہتا گر کھلا

عجلتِ پرواز جب سنتے کبھی دے راہِ گریز
یوں تو کھلنے کو قفس کا در کھلا اکثر کھلا

بند ہے بابِ قفس ہو سر تو چلے جائیے
ہم نے دیکھا ہے قفس کی تیلیوں میں در کھلا

کم تو کیا صیاد بے تابی سوا ہو جائے گی
تو نے ناحق تیلیوں میں رکھ دیا خنجر کھلا
آسماں گرمِ تلافی چاہیے کیا قفس
بجلیوں کے اک اشارے میں قفس کا در کھلا
ہجرِ ساقی میں ہمارے گھر کی کیفیت نہ پوچھ
بند در، ہر شیشہ خالی، دل بھرا ساغر کھلا
لکھ چکے ہم۔ جا چکا خط، گر یہی حالت رہی
ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دفتر کھلا
دل میں رحم اشکوں میں خوں صورت بنیں حالت میں رس
وہ نگہ اف وہ مژہ ناوک چھپا نشتر کھلا
دم بخود سکتے کا عالم، مردنی چھائی ہوئی
رنگ میری زندگی کا، میری میت پر کھلا
دیکھیے کیا گل کھلاتی ہے بہار اب کے برس
خواب میں فانی نے دیکھا ہے قفس کا در کھلا

○

دل کیا غمِ دنیا کیا اس دردِ محبت نے
ایک ایک حقیقت کو افسانہ بنا ڈالا
ہر پھول کی نکہت میں کیفیتِ مے بھر کر
ساقی نے گلستاں کو میخانہ بنا ڈالا
وہ شمع ہے تو حسن نے اس آئینہ خانے میں
اپنی ہی تجلی کو پروانہ بنا ڈالا

کسی کے ایک اشارے میں کس کو کیا نہ ملا
بشر کو زیست ملی، موت کو بہانہ ملا

مذاقِ تلخ پسندی، نہ پوچھ اس دل کا
بغیر مرگ، جسے زیست کا مزا نہ ملا

دبی زباں سے مرا حال، چارہ ساز، نہ کہہ
بس اب تو زہر ہی دے، زہر میں دوا نہ ملا

خدا کی دین نہیں ظرفِ خلق پر موقوف
یہ دل بھی کیا ہے، جسے درد کا خزانہ ملا

دعا گدائے اثر ہے، گدا پہ تکیہ نہ کر
کہ اعتمادِ اثر کیا، ملا ملا، نہ ملا

ظہورِ جلوہ کو ہے ایک زندگی درکار
کوئی اجل کی طرح دیر آشنا نہ ملا

تلاشِ خضر میں ہوں، رو شناسِ خضر نہیں
مجھے یہ دل سے گلہ ہے کہ رہنما نہ ملا

نشانِ مہر ہے ہر ذرہ ظرفِ مہر نہیں
خدا کہاں نہ ملا اور کہیں خدا نہ ملا

مری حیات ہے محرومِ مدعائے حیات
وہ رہ گزر ہوں جسے کوئی نقشِ پا نہ ملا

وہ نامرادِ اجل، بزمِ یاس میں بھی نہیں
یہاں بھی فانیٔ آوارہ کا پتہ نہ ملا

○

عقل سے کام بھی لے عشق پہ ایمان بھی لا
دل ہی نذرِ نگہِ ناز نہ کر جان بھی لا
تیری آمد کے تصدق ترے جلووں کے نثار
آ مری قبر پہ آ حشر کا سامان بھی لا
تو نے دل دے کے بس اک شانِ ہوس پیدا کی
ان کا بندہ ہے تو ناداں وہی شان بھی لا
غمِ شوریدگیٔ عشق کی تکمیل بھی کر
رنجِ ناکامیٔ دل کے لیے ارمان بھی لا
جب سے اک تار بھی دامن میں سلامت نہ رہا
جوشِ وحشت کا تقاضا ہے گریبان بھی لا
دادِ نظارہ تو دی اب جو حقیقت ہے وہ سن
بزمِ عالم میں فقط آنکھ نہ لا کان بھی لا
تجھ کو پھبتا نہیں اسلام کا دعویٰ فانی
ورنہ وہ غیرتِ اسلام بھی لا آن بھی لا

○

ہے شانِ عبودیت مصروفِ دعا ہونا / منظورِ مشیت تھا ہر نالہ رسا ہونا
بنیادِ جہاں کیا ہے مجبورِ فنا ہونا / سرمایۂ ہستی ہے محرومِ بقا ہونا

نہیں منظور تپِ ہجر کا رسوا ہونا / تیرے بیمار کا اچھا نہیں اچھا ہونا
ناصحا وسعتِ کاشانۂ جنوں خیز نہیں / ورنہ کیا فرض ہے آوارۂ صحرا ہونا
بس اب اے ضبط زیادہ مجھے مجبور نہ کر / ہے مری آنکھ کی تقدیر میں دریا ہونا
کس سے کھلے ہیں تری زلفِ گرہ گیر کے بل / کوئی آسان ہے یہ عقدۂ دل وا ہونا
نگۂ ناز کو آساں دمِ خنجر بننا / لبِ جاں بخش کو دشوار مسیحا ہونا
ہائے باتوں میں تری لغزشِ مستانۂ ناز / ہائے آنکھوں میں تری نشۂ صہبا ہونا
ہمہ تن داغِ غمِ عشقِ بتاں ہوں فانی / دل سے کھاتا ہے مجھے نقشِ سویدا ہونا

حاصلِ علمِ بشر جہل کا عرفاں ہونا / عمر بھر عقل سے سیکھا کیے ناداں ہونا
چا زنجیرِ عناصر پہ ہے زنداں موقوف / وحشتِ عشق فدا سلسلہ جنباں ہونا
دل میں اک لرزشِ مبہم ہے سراپا یعنی / تیرے آئینے کو آتا نہیں حیراں ہونا
فالِ افزونیٔ مشکل ہے ہر آسانی کا / مری مشکل کو مبارک نہیں آساں ہونا
راحتِ انجامِ غم اور راحتِ دنیا معلوم / لکھ دیا دل کے مقدر میں پریشاں ہونا
دے ترا حسنِ تغافل جسے جو چاہے فریب / ورنہ تو اور جفا دل پہ پشیماں ہونا
ہائے وہ جلوۂ ایمن وہ نگاہِ سرِ طور / فتنہ ساماں سے ترا فتنہ ساماں ہونا

خاکِ فانیؔ کی قسم ہے تجھے اے دشتِ جنوں
کس سے سیکھا ترے ذرّوں نے بیاباں ہونا

○

پھر ذوقِ تماشا کو مرہونِ اثر فرما
فرصت ہو تو دل پر بھی پھر قصدِ نظر فرما

یہ تیری خموشی بھی گو عینِ تکلّم ہے
مشتاقِ تکلّم سے کچھ پھر بھی مگر فرما

فرمانِ سحر تیرا ہر شام پہ جاری ہے
یا رب شبِ غم کو بھی تاکیدِ سحر فرما

فانی نے تجھے چاہا تو بندہ نوازی کر
فانی نے خطا کی ہے تو قطعِ نظر فرما

○

کمالِ ہوش ہے یوں بے نیازِ ہوش ہو جانا
ترے آغوش میں بیگانۂ آغوش ہو جانا

ہمیں تیری محبت میں فقط دو کام آتے ہیں
جو رونے سے کبھی فرصت ہوئی خاموش ہو جانا

وہی برقِ تجلّی کارفرما اب بھی ہے لیکن
نگاہوں کو میسّر ہی نہیں بے ہوش ہو جانا

شبِ وعدہ خدا ناکردہ وہ آئیں نہ موت آئے
تو پھر اے زندگی تو موت کا آغوش ہو جانا

خدا رکھے شرارِ عشق کو وہ شمع سوزاں ہوں
جلے جانا جسے ممکن ہے یا خاموش ہو جانا

بہار اپنی چمن اپنا قفس کی تیلیوں تک ہے
مبارک نکہتِ گل کو چمن بر دوش ہو جانا

خدا دشمن کو بھی یہ خوابِ محرومی نہ دکھلائے
ادھر ایمائے پرسش، اور ادھر خاموش ہو جانا
قیامت ہے یہ ٹکڑا داستانِ عشق کا، یعنی
مرے راحت طلب دل کا، اذیت کوش ہو جانا
مرقع ہے کسی کی ہستیٔ موہوم کا فانیؔ
وہ ان کا دیکھتے ہی دیکھتے، روپوش ہو جانا

○

فضائے شوق کا، وہ شعلہ زارِ نور ہو جانا
وہ اک اک ذرّہ دنیائے دل کا طور ہو جانا
مجھ ہی پر منحصر ٹھہرا، مرا مہجور ہو جانا
مری ہستی ہے خود اپنی نظر سے دور ہو جانا
اسیرِ بندِ دل ہو کر، غمِ دنیا سے فارغ ہوں
مری آزادیوں کا راز ہے، مجبور ہو جانا

○

کہتا ہے غمِ یار، کہ میں ہوں جانِ تمنا
دنیا ہے مری عالمِ امکانِ تمنا
مضمون تو مکتوبِ ازل کا نہیں معلوم
لکھا ہے مرے خون سے عنوانِ تمنا
آہستہ گزر صرصرِ غم، وادیٔ دل میں
برباد نہ کر خاکِ شہیدانِ تمنا
جز داغ نہیں کوئی چراغِ سرِ تربت
سینہ ہے مرا گورِ غریبانِ تمنا

ہے یاد تیری رونق خلوت گہ خاطر — ہے ذکر ترا شمع شبستان تمنا
نالے ہیں نہ آہیں نہ خلش ہے نہ تپش ہے — باقی نہ رہا کوئی زبان دان تمنا
کیفیت ناکامی دل کیا کہوں فانی — دل ٹوٹ گیا توڑ کے پیمان تمنا

کچھ کم تو ہوا رنج فراوان تمنا — آغاز جنوں گو نہیں پایان تمنا
پھر یاس نے رکھا ہے قدم خانۂ دل میں — یعنی ہے اب اللہ نگہبان تمنا
گو چاک ہوا دل مگر ارمان نہ نکلے — بے فائدہ کھولا در زندان تمنا
افسانہ مرا خواب زلیخائے محبت — جلوہ ہے ترا یوسف کنعان تمنا
جز وعدۂ باطل نہیں بنیاد کچھ اسکی — دل کانپ اٹھا دیکھ کے ایوان تمنا
اک جان ہے وہ خیر سے وارفتۂ غم ہے — اک دل ہے سو ہے سوختہ سامان تمنا
فانی کا دم اک دم ترے قدموں پہ نکلجائے — دل کی یہ تمنا ہے اب اے جان تمنا

مدت سے ہے دل خانۂ ویران تمنا — اب کوئی تمنا ہے نہ سامان تمنا
سمجھو تو بہت فرق ہے اغیار میں مجھ میں — میں آپ پہ قربان وہ قربان تمنا
پہلو بھی بدلنے نہیں پاتے مرے ارماں — اب ضبط ہے دل ہے ادبستان تمنا
کیا چارہ گر! اب بھی تجھے امید شفا ہے — یہ زخم ہے یہ دل ہے یہ پیکان تمنا
آلودہ نہیں خون تمنا سے وہ دامن — رنگین ہے مرے خون سے دامان تمنا
اللہ بچائے نظر یاس سے دل کو — امید ہے پھر سلسلہ جنبان تمنا
یہ سحر ہے فانی غم عشق ہے کیا ہے — دل قطرۂ خوں جس میں یہ طوفان تمنا

میں ندامت جان کر خوش ہوں یہ منظر دیکھنا
وہ مجھے تڑپا گئے تیرا کچھ نہ مڑ کر دیکھنا

دیدنی ہے رنگ دل میں ڈوب کر کھنچنے کے بعد
تم ابھی کیا دیکھتے ہو کھنچ کے خنجر دیکھنا

ذکرِ خورشیدِ قیامت اس کے واعظ کیا کہوں
خیر اس تر دامنی کو روزِ محشر دیکھنا

ماسوائے دل میں اک ہنگامہ برپا کر گیا
چشمِ کافر کا وہ دل سے کر مکرر دیکھنا

سانس کے جو آخری جھٹکوں میں ٹکڑے ہو گئیں
ہائے ان ناشاد آہوں کا مقدر دیکھنا

میرے دل کو چین آجانے کی ضامن موت ہے
تم کسی دن نبضِ دل پہ ہاتھ رکھ کر دیکھنا

مژدۂ فصلِ گل کا لائے تو فصلِ بہار
ہر کڑی زنجیر کی زنداں سے باہر دیکھنا

جب ذرا پردے سے جھانکا بجلیاں گرنے لگیں
ہائے یہ کوئی دیکھنے میں بندہ پرور دیکھنا

تشنہ لب بھی تھا میں ساقی جان سے بیزار بھی
ساغر اور پھر نہ ہر سے لبریز ساغر دیکھنا

صبح تک فانی ہر آوازِ شکستِ دل کے ساتھ
کیا قیامت تھا وہ تیرا جانبِ در دیکھنا

آشنا رسمِ جنوں سے نہیں سودا اپنا — عالمِ ہوش کا ہر ذرہ ہے صحرا اپنا
حسن بیتابِ تجلی ہے اور آنکھیں محروم — تھا مگر شوق ہی انکارِ تقاضا اپنا
کیوں فلک یہ کوئی گردش ہے یہ گردش کہ ہنوز — تجھ سے بدلا نہ گیا رنگِ تمنا اپنا
دلِ ناکام تری یاد سے نومید نہیں — گل بداماں ہے ابھی خارِ تمنا اپنا
جا کے شاید پلٹ آتا ہوں کہ منزل کے قریب — نظر آتا ہے مجھے نقشِ کفِ پا اپنا
عجزِ نظارہ ترے حسن کا پردہ ہے تو خیر — اسی پردہ سے دکھا دے رخِ زیبا اپنا
دلِ بیتاب کو پیغامِ سکوں ہے فانی — چشمِ بد دور غمِ حوصلہ فرسا اپنا

کیا چھپاتے کسی سے حال اپنا — جی ہی جب ہو گیا نڈھال اپنا
ہم ہیں اس کے خیال کی تصویر — جس کی تصویر ہے خیال اپنا
وہ بھی اب غم کو غم سمجھتے ہیں — دور پہنچا مگر ملال اپنا
تو نے رکھ لی گنہگار کی شرم — کام آیا نہ انفعال اپنا
دیکھ دل کی زمیں لرزتی ہے — یادِ جاناں قدم سنبھال اپنا
باخبر ہیں وہ سب کی حالت سے — لاؤ ہم پوچھ لیں نہ حال اپنا

موت بھی تو نہ مل سکی فانی
کس سے پورا ہوا سوال اپنا

بے خودی پہ تھا فانیؔ کچھ نہ اختیار اپنا
عمر بھر کیا ناحق ہم نے انتظار اپنا

تابِ ضبطِ غم نے بھی دیدیا جواب آخر
اُن کے دل سے اٹھتا ہے آج اعتبار اپنا

عشق زندگی ٹھہرا لیکن اب یہ مشکل ہے
زندگی سے ہوتا ہے عہدِ استوار اپنا

شکوہ برملا کرتے خیر یہ تو کیا کرتے
ہاں مگر جو بن پڑتا شکوہ ایک بار اپنا

غم ہی جی کا دشمن تھا غم سے دور رہتے تھے
غم ہی رہ گیا آخر ایک غم گسار اپنا

لے گیا چمن کو بھی موسمِ بہار آ کر
اب قفس کا گوشہ ہے حاصلِ بہار اپنا

جھوٹ ہی سہی وعدہ کیوں یقیں نہ کر لیتے
بات دل فریب ان کی دل امیدوار اپنا

انقلابِ عالم ہیں ورنہ دیر ہی کیا تھی
اُن کے آستاں تک تھا خیر سے غبار اپنا

دل ہے مضطرب فانیؔ آنکھ محوِ حیرت ہے
دل نے دے دیا شاید آنکھ کو قرار اپنا

○

کیوں نہ سب پہ ہو جاتا، حالِ دل عیاں اپنا
ہر سکوتِ بے جا کی تہہ میں تھا بیاں اپنا

دل سے کچھ امیدیں تھیں، وہ بھی اب انھیں کا ہے
کاش عشق میں ہوتا، دل ہی رازداں اپنا

تیرے در سے اکھڑ کر ہم، جائیں تو کدھر جائیں
اب زمیں اپنی ہے، اور نہ آسماں اپنا

فصلِ گل جو یاد آئی، آشیاں بھی یاد آیا
فصلِ گل میں اجڑا تھا، شاید آشیاں اپنا

تھا حریمِ ناز ان کا، دل کی آخری منزل
ہم نے ان کو ڈھونڈا تھا، مل گیا نشاں اپنا

بجلیو! رہے غربت میں کچھ بھرم تو باقی ہے
جل گیا مکاں، یعنی تھا کوئی مکاں اپنا

زندگی کب اپنی ہے، موت کس کے بس کی ہے
ہجر میں بنا لیتے، کس کو مہرباں اپنا

اس نے دل کی حالت کا کیا اثر لیا ہوگا
دل نے کیا کہا ہوگا، دل ہے بے زباں اپنا

نقشِ سجدہ گھبرا کر کیوں مٹائے دیتے ہو
اس میں کیا نظر آیا، سنگِ آستاں اپنا

پھر بھی نارسا ٹھہرا، اور کیا رسا ہوتا
عرش سے پرے پہنچا، شورِ الاماں اپنا
گھر ہے اب قفس، نا آنی گھر کبھی چمن بھی تھا
ہاں کبھی وطن بھی تھا، اب وطن کہاں اپنا

○

مشغلہ چاہیے کوئی غم و راحت کے سوا
حسرت اب کوئی نہیں، صبر کی حسرت کے سوا
کیا ہوئیں، داورِ محشر وہ خطائیں میری
کچھ نہیں فردِ عمل میں تری رحمت کے سوا

○

غم کے بھڑکتے شعلوں سے، جب جل کے کلیجہ خاک ہوا
داغِ وجودِ حسرت سے تب کا دامن چاک ہوا
حال پہ میرے، فرش کے ذرّے، عرش کے تارے روتے ہیں
آپ کی پلکیں تو کیا ہو نہیں کوئی پلک نمناک ہوا
میرے سوا تھے اور جو پردے سارے کے سارے چاک ہوئے
یہ بھی اگر اللہ نے چاہا کوئی دم میں چاک ہوا

○

کیا بلا تھی ادائے پرسشِ یار
مجھ سے اظہارِ مدعا نہ ہوا
وہ قیامت اٹھائے پھرتے ہیں
آسماں آج زیرِ پا نہ ہوا

قربانِ عشق، موت بھی آئی تو کیا ہوا
اس تیر بے خطا کا نشانہ خطا ہوا

کیوں خونِ دل، لگی ہی رہی جگر میں آگ
اے ننگِ عاشقی تری تاثیر کو کیا ہوا

قاتل سنبھل، کہ یہ نگہِ واپسیں نہیں
خنجر ہے میرے دل کے لہو میں بجھا ہوا

اے جذبِ بیخودی، ترے قربان جائیے
پھرتا ہے دل میں کوئی مجھے ڈھونڈتا ہوا

طوفاں ہی ایک کیا مجھے طوفاں سے کم نہیں
لنگر ہوا سفینہ ہوا، ناخدا ہوا

فانی طلسمِ رازِ حقیقت یہ ہے کہ ہے
تجھ پر تری نگاہ کا پردہ پڑا ہوا

○

یہ ضبط کبھی، ادب آموزِ امتحاں نہ ہوا
کوئی ستم، کبھی تقریبِ الاماں نہ ہوا

سبک سری ہے ترے عشق سے سبکدوشی
بلائے جان ہے وہ دل، جو بلائے جاں نہ ہوا

اجل کے زیرِ اثر ہو وہ نقشِ ہستی کیا
ہوا کہ برق کے سایہ میں آشیاں نہ ہوا

کسی کی پرسشِ پنہاں نے کیوں سوادِ طلب
وہ حال، جو کبھی منتِ کشِ زباں نہ ہوا

فغاں نے کوئی اثر تو کیا، یہ کیا کم ہے
یہی سہی کہ وہ آزردۂ فغاں نہ ہوا

دل آپ یار سے رودادِ غم کہے تو کہے
مری زباں سے تو یہ ماجرا بیاں نہ ہوا

جہانِ جاں میں نہیں، یادِ یار دل میں نہیں
جمالِ یار کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

ہر آن فتنہ ہے ہر فتنہ اک قیامت ہے
ترا شباب ہوا، دورِ آسماں نہ ہوا
ہمیں ابھی ترے اشعار یاد ہیں فانیؔ
ترا نشاں نہ رہا اور بے نشاں نہ ہوا

○

دمِ حریف زوالِ غم نہ ہوا
مرتے مرتے یہ درد کم نہ ہوا
جھک گیا تیرے آستاں پہ جو سر
پھر کسی آستاں پہ خم نہ ہوا
نگہِ قہر خاص ہے مجھ پر
یہ تو احساں ہوا ستم نہ ہوا
رہ گئی حسرتِ وفا باقی
دل کو اندازۂ ستم نہ ہوا
اب کرم ہے تو یہ گلہ ہے مجھے
کہ مجھی پہ ترا کرم نہ ہوا
عشق میں زندگی کا ساری عمر
کوئی ساماں ہی بہم نہ ہوا
بت نے ہر رنگ میں خدائی کی
دل مگر دیر سے حرم نہ ہوا
دم کبھی فانیؔ کسی کے غم تک ہے
دم نہ ہوگا اگر یہ غم نہ ہوا

○

جمالِ خود رخِ بے پردہ کا نقاب ہوا
نئی ادا سے نئی وضع کا حجاب ہوا
ملا ازل میں مجھے میری زندگی کے عوض
وہ ایک لمحہ ہستی کہ صرفِ خواب ہوا
سکونِ قلب میسر ہے موت ہی سے سہی
غرض کہ خاتمۂ رنجِ اضطراب ہوا

وہ جلوہ، منتِ نظر تھا، نظر کو کیا کہیے
کہ پھر بھی ذوقِ تماشا نہ کامیاب ہوا
اُلٹ گئی، مری امید و بیم کی دنیا
یہ کیا نظامِ تمنا میں انقلاب ہوا
گنہ گار سہی، دل مگر قصور معاف
ظہورِ شوق با اندازۂ حجاب ہوا
قضا کو مژدۂ فرصت کہ فانیؔ مہجور
شہیدِ کشمکشِ صبر و اضطراب ہوا

○

وحشتِ عشق نے جب ہوش میں لانا چاہا
عقلِ کج فہم نے دیوانہ بنانا چاہا
ہم کو مرنا بھی میسر نہیں، جینے کے بغیر
موت نے عمرِ دو روزہ کا بہانا چاہا
پھر کچھ اے بے خبری تجھ میں کمی ہوتی ہے
درد نے کیا تجھے پھر ہوش میں لانا چاہا

○

حالِ دل کس امید پر کہیے
جب تمہیں اعتبار ہی نہ رہا
بیقراری کہاں کہ دل ہی نہیں
ہائے وہ بے قرار ہی نہ رہا
دل کی اب روک تھام کون کرے
ضبط پر اختیار ہی نہ رہا

اب کوئی آرزو نہیں فانیؔ دلِ امیدوار ہی نہ رہا

بے اعتبارِ وعدۂ فردا نہیں رہا
اب یہ بھی زندگی کا سہارا نہیں رہا
تم مجھ سے کیا بچھڑے کہ قیامت سی آگئی
یہ کیا ہوا کہ کوئی کسی کا نہیں رہا
کیا کیا گِلے نہ تھے کہ ادھر دیکھتے نہیں
دیکھا تو کوئی دیکھنے والا نہیں رہا
آہیں ہجومِ یاس میں کچھ ایسی کھو گئیں
دل آشنائے درد ہی گویا نہیں رہا
اللہ رے چشمِ ہوش کی کثرت پرستیاں
ذرّے ہی رہ گئے کوئی صحرا نہیں رہا
دے اُن پہ جان حُسن کو عرض ہے کہ دیکھے بعد
اُن کی نگاہ کا وہ تقاضا نہیں رہا
تم دو گھڑی کو آئے نہ بیمار کے قریب
بیمار دو گھڑی کو بھی اچھا نہیں رہا
فانی بس اب خدا کیلیے ذکرِ دل نہ چھیڑ
جانے بھی دے بلا سے رہا یا نہیں رہا

ضبط اپنا شعار تھا، نہ رہا
دل پہ کچھ اختیار تھا، نہ رہا

دلِ مرحوم کو خدا بخشے
ایک ہی غمگسار تھا نہ رہا

آ کہ وقتِ سکونِ مرگ آیا
نالہ ناخوشگوار تھا نہ رہا

ان کی بے مہریوں کو کیا معلوم
کوئی امیدوار تھا نہ رہا

آہ کا اعتبار بھی کب تک
آہ کا اعتبار تھا نہ رہا

کچھ زمانے کو سازگار سہی
جو ہمیں سازگار تھا نہ رہا

اب گریباں کہیں سے چاک نہیں
شغلِ فصلِ بہار تھا نہ رہا

موت کا انتظار باقی ہے
آپ کا انتظار تھا نہ رہا

مہرباں یہ مزارِ فانی ہے!
آپ کا جاں نثار تھا نہ رہا

زبانِ رخصتِ طفلی ہے لو شباب آیا
سوا پہرِ رخِ روشن کا آفتاب آیا

بہت دنوں یہی کہہ کہہ کے دم دیے دل کو
ذرا ٹھہر دلِ مضطر کہ اب جواب آیا

چڑھا گیا میں بلانوشِ یادِ ساقی میں
جو بھر کے زہر سے بھی ساغرِ شراب آیا

وہ آئے گورِ غریباں پہ جی اٹھے مردے
جلو میں فتنۂ محشر بھی ہم رکاب آیا

جگر میں درد نے اکھڑ اکھڑ کے چٹکیاں لے لیں
ذرا بھی گر شبِ غم میں خیالِ خواب آیا

کوئی ہو شیخ ہو یا برہمن سوائے فانیؔ
گیا جو میکدۂ عشق میں خراب آیا

سنگِ در دیکھ کے سر یاد آیا
کوئی دیوانہ مگر یاد آیا

پھر وہ اندازِ نظر یاد آیا
چاکِ دل تا بہ جگر یاد آیا

ذوقِ اربابِ نظر یاد آیا
سجدۂ بے منتِ سر یاد آیا

ہر تبسم پہ یہ کھاتا ہوں فریب
کہ انھیں دیدۂ تر یاد آیا

پھر ترا نقشِ قدم ہے درکار
سجدۂ راہ گزر یاد آیا

جمع کرتا ہوں غبارِ رہِ دوست
سرِ شوریدہ مگر یاد آیا

ہائے وہ معرکۂ ناوکِ ناز
دل بچا یا تو جگر یاد آیا

آئینہ اب نہیں دیکھا جاتا
میں بعنوانِ دگر یاد آیا

درد کو پھر ہے مرے دل کی تلاش
خانہ برباد کو گھر یاد آیا

اس کو بھولے تو ہوئے ہو فانیؔ
کیا کرو گے اگر وہ یاد آیا

دم کیا تنِ بسمل سے آسان نکل آیا
ارمان بھرے دل کا ارمان نکل آیا

وحشت کی بدولت، ہم جب گھر سے نکل آئے
اس گھر کی تباہی کا سامان نکل آیا

تم شامِ شبِ فرقت، بیساختہ آ نکلے
یا کفر کے پردے سے ایمان نکل آیا

ہم عرصۂ ہستی سے گزرے بھی تو کیا گزرے
اک اور قیامت کا سامان نکل آیا

آنکھوں کی خطا فانیؔ محشر میں عطا ٹھہری
طوفان اٹھایا تھا، احسان نکل آیا

جذبِ دل جب بروئے کار آیا
ہر نفس سے پیامِ یار آیا

موت کا انتظار تھا، آئی
جائیے اب مجھے قرار آیا

جب کسی نے لیا تمہارا نام
گریۂ بے قصد و اختیار آیا

بیقراری میں، اب یہ ہوش نہیں
کس کے در پر تجھے پکار آیا

فرشِ گل کیوں بچھا رہی ہے نسیم
آئیے موسمِ بہار آیا

آج ہم پی سکے، نہ وہ آنسو
ان کے آگے جو بار بار آیا

خیر تو ہے کہ آپ کے در سے
آج فانیؔ امیدوار آیا

وعدے کے یہ تیور ہیں، کہہ دوں کہ یقیں آیا
اب اُن سے کوئی کیوں کر کہہ دے کہ نہیں آیا

کافر کی محبت میں ایمان کے لالے تھے
چھپ چھپ کے دعاؤں میں وہ دشمنِ دیں آیا
یہ کوچۂ قاتل ہے آباد ہی رہتا ہے
اک خاک نشیں اٹھا اک خاک نشیں آیا
دنیا کے گلے شکوے ہم حشر میں کیا کرتے
کہنا تو بہت چاہا کچھ یاد نہیں آیا
پھر گورِ غریباں کا ہر ذرّہ لرز اٹھا
فانیؔ کوئی دل، شاید پھر زیرِ زمیں آیا

○

ہمیں کھوئے گئے تجھ میں، نہ جب تیرا پتا پایا
نہ پایا مدعا، ہم نے تو گویا مدعا پایا
ازل میں اہلِ دل نے بابِ رحمت سے نہ کیا پایا
دعا پائی، دعا کے واسطے دستِ دعا پایا
فریبِ جلوۂ اور کتنا مکمل، اے معاذ اللہ
بڑی مشکل سے دل کو بزمِ عالم سے اٹھا پایا
یہ ہے رودادِ غم، اول سے آخر تک کہ ظالم کو
ستم نہ آشنا دیکھا، کرم نا آشنا پایا
مرادردِ نہاں رسوائے افضائے دو عالم ہے
چھپا کر تو نے جو بخشا، وہ میں نے برملا پایا

یہ ہے محشر میں دیدِ یار، وصلِ یار کا حاصل
کوئی دیکھا ہوا؟ دیکھا کوئی پایا ہوا پایا

مرے شکوے، سپاسِ غم کی لے ہیں دل سے اٹھتے ہیں
فغاں کو میں نے آہنگِ طرب کا ہم نوا پایا

ترے مظلوم کی فریاد کام آ ہی گئی آخر
دلِ مرحوم نے اک نالۂ آخر رسا پایا

وفا کے نام سے بیزار ہے وہ بے وفا فانی
وفائیں اُس نے کیا پندارِ ترکِ مدعا پایا

○

بہتے بہتے سارے آنسو بہہ گئے — روتے روتے آنسوؤں کو رو لیا
لو تمہارے سر ہے میری منصفی — دل مرا تم نے لیا، لو لو، لیا
داغِ دل پہلو سے یوں مٹتا نہ تھا — آپ خنجر سے یہ دھبّہ دھو لیا
آئے دنیا میں تو ساتھ آئی اجل — ہائے دشمن پیچھے پیچھے ہو لیا
عشق نے سوغات وہ بخشی اسے — جس کو تم کہتے تھے فانی سو لیا

○

کچھ اس طرح تڑپ کر میں بے قرار رویا
دشمن بھی چیخ اٹھا، بے اختیار رویا

کیا اُس کو بے قراری، یاد آ گئی تمہاری
بل بل کے بجلیوں سے ابرِ بہار رویا

آیا ہے بعد مدت، بچھڑے ہوئے ملے ہیں
دل سے لپٹ لپٹ کر غم، بار بار رویا
نازک ہے آج شاید حالت، مریضِ غم کی
کیا چارہ گر نے سمجھا، کیوں زار زار رویا
کچھ بھی سہی برق و باراں، ہم تو یہ جانتے ہیں
اک بے قرار تڑپا، اک دل فگار رویا
فانیؔ کو یا جنوں ہے، یا تیری آرزو ہے
کل نام لے کے تیرا، دیوانہ وار رویا

مجھ کو مرے نصیب نے روزِ ازل، نہ کیا دیا
دولتِ دو جہاں نہ دی، اک دلِ مبتلا دیا
دل ہی نگاہِ ناز کا اک ادا شناس تھا
جلوۂ برقِ طور نے طور کو کیوں جلا دیا
قبر میں جب کسی طرح، دل کی تڑپ نہ کم ہوئی
یادِ خرامِ ناز نے حشر کا آسرا دیا
روزِ جزا گلہ تو کیا، شکرِ ستم ہی بن پڑا
ہائے کہ دل کے درد نے درد کو دل بنا دیا
اب میری لاش پر حضور، موت کو کوستے تو ہیں
آپ کو یہ بھی ہوش ہے کس نے کسے مٹا دیا

دل میں سما کے پھر گئی، آس بندھا کے پھر گئی
آج نگاہِ دوست نے کعبہ بنا کے ڈھا دیا

اف، کہ گناہگار ہم ہیں تو، مگر خطا معاف
آنکھ پھیر کے درد نے، دل ہی تو ہے دکھا دیا

آپ ہم اپنی آگ میں آئے، غمِ عشق، جل بجھے
آگ لگے اس آگ کو، پھونک دیا، جلا دیا

یوں نہ کسی طرح کٹی، جب مری زندگی کی رات
چھیڑ کے داستانِ غم، دل نے مجھے سلا دیا

گریۂ آتشیں کی داد، دے شبِ غم تو، کون دے
خود سرِ شام کیا بجھی، شمع نے دل بجھا دیا

یاس نے درد ہی نہیں، حق تو یہ ہے دوا بھی دی
فانیؔ نا اُمید کو، موت کا آسرا دیا

اے اجل، اے جانِ فانیؔ تو نے یہ کیا کر دیا
مار ڈالا، مرنے والے کو کہ اچھا کر دیا

جب، ترا ذکر آ گیا، ہم دفعتاً چپ ہو گئے
وہ چھپایا رازِ دل، ہم نے کہ افشا کر دیا

کس قدر بیزار تھا دل، مجھ سے، ضبطِ شوق پر
جب کہا، دل کا کیا، ظالم نے رسوا کر دیا

یوں چرائیں اُس نے آنکھیں، سادگی تو دیکھیے
بزم میں گویا مری جانب اشارا کر دیا

دردمندانِ ازل پر عشق کا احساں نہیں
درد یاں دل سے کیا کب تھا کہ پیدا کر دیا

دل کو پہلو سے نکل جانے کی پھر رٹ لگ گئی
پھر کسی نے آنکھوں آنکھوں میں تقاضا کر دیا

رنج پایا، دل دیا، سچ ہے مگر یہ تو کہو
کیا کسی نے دے کے پایا، کس نے کیا پا کر دیا

بچ رہا تھا ایک آنسو دار و گیرِ ضبط سے
جوششِ غم نے پھر اس قطرے کو دریا کر دیا

فانیؔ مہجور تھا آج آرزو مندِ اجل
آپ نے آ کر پشیمانِ تمنا کر دیا

ہر دل کو تیرے غم نے مسلماں بنا دیا
توفیقِ اضطراب کو ایماں بنا دیا

رگ رگ کو دردِ دل نے رگِ جاں بنا دیا
اس کفرِ ماسوا کبھی ایماں بنا دیا

جب درد کو امانتِ درماں ہوئی سپرد
درمانِ عشق کو غمِ درماں بنا دیا

میری نگاہِ معترفِ عجز خاک تھی
تیری نظر نے خاک کو انساں بنا دیا
جب اس نے غم سے پردہ اٹھایا، تو عشق تھا
جب دل کو بے نقاب کیا، جاں بنا دیا
کیفیتِ نگاہِ سرور آفریں، نہ پوچھ
شبنم کو جس نے بادۂ عرفاں بنا دیا
ہر رنگِ گل کو جلوہ گہِ کیفِ صد بہار
ہر بوئے گل کو میکدۂ جاں بنا دیا
غم کو بنا کے محرمِ اسرارِ کائنات
ہر نقشِ غم کو پیکرِ انساں بنا دیا
دے کر دلِ فسردۂ فانیؔ کو سوزِ عشق
ہر آرزو کو شعلہ بداماں بنا دیا

○

وہ پوچھتے ہیں ہجر میں ہے اضطراب کیا
حیراں ہوں کہ دوں انھیں اس کا جواب کیا
دلؔ اور وہ بھی مرادِ دردمند دل
تیری نگاہ نے کیا، یہ انتخاب کیا
جاتی نہیں خلشِ الم روزگار کی
اے آسماں ہوا وہ ترا انقلاب کیا

نظارۂ جمال کی یاں تاب ہی نہیں
اے برقِ حسن چاہیے تجھ کو نقاب کیا
وعدہ بھی کر لو وعدے پہ یاں آ بھی جاؤ تم
یہ سب سہی تمہاری "نہیں" کا جواب کیا
بیش از گمانِ خواب نہیں فرصتِ حیات
فانی تم اس خیال کو سمجھے ہو خواب کیا

بوئے خزاں سے مست ہیں، یاد ہمیں بہار کیا
ہم تو چمن پرست ہیں، پھول کہاں کے خار کیا
دل ہے تری نگاہ تک، جان ہے اک آہ تک
حوصلۂ امید کیا، ظرفِ امیدوار کیا
محوِ فروغِ ذات ہوں، بے خبرِ صفات ہوں
کوئی ہے شمعِ بزم کیا، شمعِ سرِ مزار کیا
ہوش سے احتراز کر، فاش نہ غم کا راز کر
دغدغۂ حساب کیوں، شکوۂ روزگار کیا
حد سے سوا جفا سہی، مجھ پہ ہے غیر پر نہیں
جوششِ سیلِ گریہ کون، ضبط کو ناگوار کیا
جو غم بے اثر نہ ہو، جو شب بے سحر نہ ہو
وہ غمِ انتظار کب، وہ شبِ انتظار کیا

اپنے کمالِ شوق پہ حشر کا دن ہے منحصر
وعدۂ دید چاہیئے زحمتِ انتظار کیا
کھیل تھا سب امید کا یہ نہ رہی تو کچھ نہ تھا
آرزوؤں کی کیا بساط شوق کا کاروبار کیا
فانیؔ اب اپنی زندگی حسنِ عتابِ یار ہے
دیکھئے مرگِ ناگہاں لائے پیامِ یار کیا

○

دا ہے کی یہ مشقِ پیہم کیا
یاس وا امید شادی و غم کیا
تم کو ہیں رازہا ہوا کی قسم
تم پہ چھایا ہوا ہے عالم کیا
ان کے آگے غم اک فسانہ ہے
اُن سے کہیے فسانۂ غم کیا
عیشِ رفتہ کی یاد سے حاصل
قصۂ خلد و ذکرِ آدم کیا
تا کجا آہ زیرِ لب آخر
انتہا سکوت برہم کیا
غمِ دنیا بہ قدرِ ظرف نہیں
حسرتِ بیش و شکوۂ کم کیا
سوزِ غم کی حدیں نہیں ملتیں
بجھ گئی آتشِ جہنم کیا
گرم و سردِ زمانہ جو کچھ ہو
ورنہ فردوس کیا جہنم کیا
موت جس کی حیات ہو فانیؔ
اس شہیدِ ستم کا ماتم کیا

○

جستجوئے نشاطِ مبہم کیا
دل میسر ہے لذتِ غم کیا
مستیٔ ہوش کے فسانے ہیں
جشنِ پرویز و عشرتِ جم کیا

ایک عالم کو دیکھتا ہوں میں — یہ ترا دھیان ہے مجسم کیا
اذنِ ہنگامۂ نگاہ نہ دے — کیا ہماری بساط اور ہم کیا
تنگ رحمت ہے احتیاجِ دعا — انتظارِ قضائے مبرم کیا
میری فطرت ہے گوش بر آواز — سن رہا ہوں نوائے محرم کیا
مٹ گیا نامِ عاشقی اب اور — چاہتا ہے وہ حسنِ برہم کیا
کاش پوچھو تو کچھ بتائیں ہم — حاصلِ شکوہ ہائے باہم کیا
دل کمالِ حیات ہے فانی — دل کے مارے ہوؤں کا ماتم کیا

○

غم فانی و عیش برہم کیا — جاوداں ہوں تو عیش ہے غم کیا
ہر تجلی ہے اک نظامِ جمال — لاکھ عالم ہیں ایک عالم کیا
تم سے نسبت ہے اعتبار اپنا — ہم تمہارے ہیں ورنہ پھر ہم کیا
غم تو اعجازِ غم بہشت بھی ہے — امتیازِ غم جہنم کیا
لاگ ہے اپنی زندگی سے مجھے — اور ناسازگاریٔ غم کیا
یہ بھی اک التفات ہے ورنہ — دعوتِ نالہ ہائے پیہم کیا
یہ حجابات کبھی اٹھے آخر — دلِ پُر درد و چشمِ پرنم کیا
پھر ملی غیب سے نویدِ نشاط — غم کے ساماں ہوئے فراہم کیا

یادِ فانی بخیر کیوں اے موت
اٹھ رہا ہے یہ شورِ ماتم کیا

❖

نذرِ دردِ دل غمِ دنیا کیا — اک مٹایا داغ اک پیدا کیا
رونمائے جوشِ حیرت تھی نگاہ — آئینہ منہ آپ کا دیکھا کیا
بجلیاں بھر دیں نگاہِ یار میں — تو نے آہِ آتشیں یہ کیا کیا
وسعتِ دل تھی بہ قدرِ دادِ عشق — قطرہ دریا تھا جسے دریا کیا
نالہ کیا؟ ہاں اک دھواں سا شامِ ہجر — بسترِ بیمار سے اٹھا کیا
سخت نازک تھا مزاجِ دردِ عشق — دل فدائے حسنِ بے پروا کیا
زیست تھی بیکار فانی دل کے بعد — جان بھی قربان کی اچھا کیا

دیکھنا پھر حشر میں کیا حشر برپا ہو گیا
وہ سراپا حشر جب ہنگامہ آرا ہو گیا
زندۂ جاوید فانی نام اپنا ہو گیا
سحرِ الفت رشکِ اعجازِ مسیحا ہو گیا
نذر دینے لائے تھے ہم جلوۂ جاناں کو دل
وہ بھی صرفِ کشمکش ہائے تماشا ہو گیا
اپنی مشتِ خاک بھی پہنچی نہ کوئے یار تک
ہائے بختِ نارسا تیرا ہی چرچا ہو گیا
شکوۂ طاقت ربائیہائے غم کیا کیجیے
حالِ دل کیا کہیے کیوں کر آشکارا ہو گیا

روئیں کیا روداد عبرت خیز عشق قیس پر
وائے ناکامی وہ اپنا ہی فسانہ ہو گیا
زندگی اتنی ہی تھی، جینا مقدر ہی نہ تھا
راز عشق یار فانیؔ مفت رسوا ہو گیا

○

جلوہ گاہ ناز جاناں جب مرا دل ہو گیا
سامنا فانیؔ مجھے دل کا بھی مشکل ہو گیا
مژدۂ تسکین سے بےتابی کے قابل ہو گیا
دل پہ تیری جب نگاہیں جم گئیں دل ہو گیا
کر کے دل کا خوں گیا بےتابیاں کم ہو گئیں
جو لہو آنکھوں سے دامن پہ گرا دل ہو گیا
سن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی
آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہو گیا
طور نے جل کر ہزاروں طور پیدا کر دیے
ذرّہ ذرّہ میرے دل کی خاک کا دل ہو گیا
موت آنے تک نہ آئے اب جو آئے ہو تو ہائے
زندگی مشکل ہی تھی مرنا بھی مشکل ہو گیا
درد فرقت کی خلش، وابستۂ انفاس تھی
مدعائے زندگانی مر کے حاصل ہو گیا

دل سراپا درد تھا، وہ ابتدائے عشق تھی
انتہا یہ ہے کہ فانیؔ درد اب دل ہو گیا

جیب و داماں کی حقیقت کا جو عرفاں ہو گیا
جا پڑیں جس تار پر نظریں رگِ جاں ہو گیا

"ماسوا کی راہ سے" جانا پڑا ہے سوئے دوست
کفر بھی، دل کی بدولت، جزوِ ایماں ہو گیا

دُشنۂ غم کو مبارک، نذرِ خونِ آرزو!
زیست کو مژدہ کہ مر جانے کا ساماں ہو گیا

اُن کے دیکھے تک ہے دل کے آئینے کی بھی نمود
دیکھ لینا پھر کہ دل تصویرِ جاناں ہو گیا

اس دلِ مایوس کی ویرانہ سازی کچھ نہ پوچھ
اس نے جب اور جو چمن تاکا بیاباں ہو گیا

اُس کے دامن سے اُلجھتا ہے ادب اے دستِ شوق
یہ بھی دیوانے کوئی میرا گریباں ہو گیا

جو بہ فتوائے خرد مجنوں نہ ہو کامل نہیں
حیف وہ آزاد جو محرومِ زنداں ہو گیا

ادّعائے ضبطِ غم، بالکل بجا لیکن درست
اور جو دل کا حال چہرہ سے نمایاں ہو گیا

یاد ہے فانیؔ تجھے کوئی کہانی اور بھی
ختم کر افسانۂ غم، دل پریشاں ہو گیا

اور تسلی سے سوا ہو گیا
دردِ جگر، یہ مجھے کیا ہو گیا

موت کی نیند آ گئی بیمار کو
غیب سے سامانِ شفا ہو گیا

اور ہی بل ہے تری زلفوں میں آج
کون گرفتارِ بلا ہو گیا

چارۂ تپ ہجر کا اب کیا کروں
زہر بھی کم بخت دوا ہو گیا

اب بھی ترا وعدۂ وفا ہو نہ ہو
موت کا وعدہ تو وفا ہو گیا

مفتِ دو عالم ہے وہ تیرِ نگاہ
جو مری شامت سے خطا ہو گیا

ہوش ہی تھا ہجر کہ میں آپ سے
آپ سے آتے ہی جدا ہو گیا

شوق سے ناکامی کی بدولت کوچۂ دل ہی چھوٹ گیا
ساری امیدیں ٹوٹ گئیں، دل بیٹھ گیا جی چھوٹ گیا

فصلِ گل آئی یا اجل آئی کیوں درِ زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آ پہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا

لیجے کیا دامن کی خبر اور دستِ جنوں کو کیا کہیے
اپنے ہی ہاتھ سے دل کا دامن مدت گزری چھوٹ گیا

منزلِ عشق پہ تنہا پہنچے کوئی تمنا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کر اس راہ میں آخر اک اک ساتھی چھوٹ گیا

اس نے عدو کا سوگ کیا، یاں اس سے وفا کی آس بندھی
داغِ تمنا رنگِ حنا کی دیکھا دیکھی چھوٹ گیا
فانیؔ ہم تو جیتے جی وہ میت ہیں بے گور و کفن
غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

○

وہ جی گیا جو عشق میں جی سے گزر گیا
عیسیٰ کا ہو نوید کہ بیمار، مر گیا

آزاد کچھ ہوئے ہیں اسیرانِ زندگی
یعنی جمالِ یار کا صدقہ اتر گیا

دنیا میں حالِ آمد و رفتِ بشر نہ پوچھ
بے اختیار آ کے رہا بے خبر گیا

شاید کہ شامِ ہجر کے مارے بھی جی اٹھے
صبحِ بہارِ حشر کا چہرہ اُتر گیا

آیا کہ دل گیا، کوئی پوچھے تو کیا کہوں
یہ جانتا ہوں، دل ادھر آیا اُدھر گیا

میں نے دیا کہ تم نے لیا دل، تمہیں کہو
تم، دل میں پہلے آئے کہ دل پیشتر گیا

ہاں سچ تو ہے، شکایتِ زخمِ جگر غلط
دل سے گزر کے، تیر تمہارا کدھر گیا

دل کا علاج کیجیے اب یا نہ کیجیے
اپنا جو کام تھا وہ غمِ یار کر گیا

کیا کیجیے اپنی گرم رویہائے شوق کو
کچھ دور میرے ساتھ، مرا راہ بر گیا

فانیؔ کی ذات سے غمِ ہستی کی تھی نمود
شیرازہ آج دفترِ غم کا بکھر گیا

○

سایہ بھی جس پہ میرے نشیمن کا پڑ گیا
کیوں آسماں، وہ باغ ہی سارا اجڑ گیا

تو نے سب اپنے کام بگڑ کر بنا لیے
میری وفا، وہ کام جو بن کر بگڑ گیا

دل کی مفارقت کو کہاں تک نہ روئیے
اللہ، ایک عمر کا ساتھی بچھڑ گیا

صیاد یوں پروں میں گرہ باندھتے ہیں کیا
بے درد بند بند کسی کا جکڑ گیا

ہوتا ہے آج فیصلۂ امید و یاس کا
مٹنا ہے اب وہ دل جو بسا اور اجڑ گیا

بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کیے بغیر
کام ان کی بے قرار نگاہوں سے پڑ گیا

بدلا ہوا ہے آج مرے آنسوؤں کا رنگ
کیا دل کے زخم کا کوئی ٹانکا ادھڑ گیا

اللہ رے جوشِ بادِ بہاری ترا اثر
پیمانہ لڑکھڑا کے صراحی سے لڑ گیا

وعدے کی رات گردشِ افلاک رک گئی
جب تم سے بن گئی تو زمانہ بگڑ گیا

اک حشر اور چاہیے اس رو سیاہ کو
فانیؔ زمینِ حشر میں غیرت سے گڑ گیا

○

دل کی کایا غم نے وہ پلٹی کہ تجھ سا بن گیا
درد میں دل ڈوب کر قطرے سے دریا بن گیا

اُن کے آغوشِ مشیت میں ہے ناکامی مری
کام کچھ اس طرح بگڑا ہے کہ گویا بن گیا

دل کی رُت ایسی تو یادِ یار نے بدلی نہ تھی
یہ چمن اجڑا ہی اس ڈھب سے کہ صحرا بن گیا

نقشِ موہوم حیات افسانہ در افسانہ تھا
جب یہ نقش ابھرا تو اک حرفِ تمنا بن گیا

لو مبارک لذتِ غم بھی ہے اب تو ناگوار
دل محبت میں جو بننا چاہیے تھا بن گیا

جلوۂ کثرت خود اپنا شوقِ بے اندازہ تھا
محملِ لیلیٰ مری نظروں میں لیلیٰ بن گیا
میری محرومی کبھی رسوا ہے کہ آئی حالِ دل
اُن کے کانوں تک نہ پہنچا اور فسانہ بن گیا

✣

ب

کیوں دلِ بے تاب ہے آرام جانِ اضطراب
پھر تمنا ہے کسی کی میہمانِ اضطراب
ہم ہوئے جاتے ہیں قائل آہ کی تاثیر کے
اس نے کیا کہہ کر بڑھا دی آج شانِ اضطراب
کب سے آغوشِ لحد میں ہم ہیں سرتاپا قرار
وہ ستم پرور ہے اب تک بدگمانِ اضطراب
مجھ کو مضطر دیکھ کر اُن کو حجاب آنے لگا
ہو چلی ہیں وہ نگاہیں رازدانِ اضطراب
اشک اک اک کر کے سب آوارۂ دامن ہوئے
رفتہ رفتہ مٹ گیا نام و نشانِ اضطراب

وقتِ عرضِ حالِ دل، اس فکر نے مارا مجھے
کیجیے آغاز کیوں کر داستانِ اضطراب

اضطرابِ دل کے شکووں نے کیا الٹا اثر
بے نیازِ نطق ہے گویا زبانِ اضطراب

رازِ ضبطِ غمِ الٰہی کس نے افشا کر دیا
ہے انھیں میری خوشی پر گمانِ اضطراب

سینۂ فانی ہے یا جولاں گہِ برقِ فنا
دل ہے یارب یا بلائے آسمانِ اضطراب

○

عشق ہے پرتوِ حسنِ محبوب — آپ اپنی ہی تمنا کیا خوب
طلبِ محض ہے سارا عالم — کوئی طالب ہے نہ کوئی مطلوب
قلب ادراک دماغ اور حواس — مجھ سے منسوب ہیں تجھ سے مغلوب

پ

○

یہ عکسِ زلف سے، ساغرِ شراب میں سانپ
کہ آفتاب قمر میں ہے آفتاب میں سانپ

دکھا کے زلفِ سیہ فام آئینے میں انھیں
یہ کہہ کے ہم نے اتارا کہ ہے نقاب میں سانپ
نہ کیوں تصورِ گیسوئے یار ہو دل میں
بنا ہی لیتے ہیں گھر خانۂ خراب میں سانپ

❁

ت

○

جنسِ دل ہو مشتری دل بہت — سر سلامت چاہیے قاتل بہت
منحصر ہے آپ کی "ہاں" پر وصال — آپ کو آساں مجھے مشکل بہت
فانیؔ جاں باز سا کوئی نہیں — گرچہ قاتل ہیں ترے بسمل بہت

○

پھر فریبِ سادگی ہے رہنمائے کوئے دوست
مٹنے والی آرزوئیں لے چلیں پھر سوئے دوست
مانگتا ہوں آپ خنجر سے سوا خنجر کی خیر
کچھ گراں جانی مری کچھ قوتِ بازوئے دوست
اب مجھی کو طولِ شامِ ہجر کا شکوہ بھی ہے
خود ہی چھیڑی تھی حدیثِ طرۂ گیسوئے دوست

آسماں کا شکر واجب ہے گلہ جائز نہیں
آسماں سے ملتی جلتی ہے جہانتک خوئے دوست
رنگ د بوئے دہر کا مفہوم یوں کچھ ہی سہی
میرے مسلک میں ہے فانی رنگِ دل یا بوئے دوست

ہو کاش وفا وعدۂ فردائے قیامت
آئے گی، مگر دیکھیے کب آئے قیامت
اللہ بچائے غمِ فرقت وہ بلا ہے
منکر کی نگاہوں پہ بھی چھا جائے قیامت
سنتا ہوں کہ ہنگامۂ دیدار بھی ہوگا
اک اور قیامت ہے یہ بالائے قیامت
ہم دل کو ان الفاظ سے کرتے ہیں مخاطب
اے جلوہ گہِ انجمن آرائے قیامت
فانی یہ مگر راہِ محبت کی زمیں ہے
ہر ذرّہ میں ہے وسعتِ صحرائے قیامت

ٹ

آنکھ اٹھائی ہی تھی کہ کھائی چوٹ
بچ گئی آنکھ دل پہ آئی چوٹ

دردِ دل کی انھیں خبر کیا ہو
جانتا کون ہے پرائی چوٹ

آئی تنہا نہ خانۂ دل میں
درد کو لینے ساتھ لائی چوٹ

تیغ تھی ہاتھ میں نہ خنجر تھا
اس نے کیا جانیں کیا لگائی چوٹ

یوں نہ قاتل کو جب یقیں آیا
ہم نے دل کھول کر دکھائی چوٹ

کہیں چھپتی کبھی ہے لگی دل کی
لاکھ فانی نے گو چھپائی چوٹ

ث

د

فغاں کے پردے میں سن میری داستاں صیاد
کہ پھر رہے نہ رہے طاقتِ بیاں صیاد

ترا اشارہ ترا ساز برق ہے نہ سہی
تجھے خبر ہے کہ جلتا ہے آشیاں صیاد
نہ آ قریب کہ پروردۂ فنا ہوں میں
بنا ہے برق کے تنکوں سے آشیاں صیاد
بس ایک آہِ جہاں سوز کے اثر تک ہیں
یہ خار، برق، قفس، دام آسماں صیاد
نکل ہی جائیں گے نالے دہن سے خوں ہو کر
زباں نہیں تو کھلے گی رگِ زباں صیاد
ستم رسیدۂ آوازۂ بیاں ہوں میں
قفس میں کھینچ کے لائی مری زباں صیاد
چمن میں دل ہے تو مری نگاہ میں ہے چمن
چمن سے تو مجھے لے جائیگا کہاں صیاد
یہ جذبِ ذوقِ اسیری ہے ورنہ اے فانی
کہاں میں سوختہ دل مشتِ پر کہاں صیاد

کیا کہیے کہ بیداد ہے تیری بیداد
دل محشرِ بیخودی ہے اللہ اللہ
پابندئ رسم برطرف کیوں اے موت
اللہ یہ بجلیاں نہ کام آئیں گی

طوفانِ محبت کی زد میں ہے فریاد
یا اور کسی بھول جانیوالے کی یاد
اُن کے بھی کیے ہیں تونے قیدی آزاد
آندھی ہی سے کیوں ہو آشیانہ برباد

دنیا جسے کہتا ہے زمانہ فانیؔ ہے ایک طلسمِ اجتماعِ اضداد

○

آخر کوئی امیدِ اثر بھی دعا کے بعد
کچھ آپ بھی کہیں گے مری التجا کے بعد

کیا جانے کیا بلا ہے وہ اندازِ التفات
دنیا بدل گئی نگہِ آشنا کے بعد

فکرِ وفائے عہد تمہاری بلا کرے
جیتا ہے کون وعدۂ صبر آزما کے بعد

لنگر کا آسرا ہے نہ تائیدِ ناخدا
میرے سپرد ہے مری کشتی خدا کے بعد

اللہ رے اعتمادِ نوازش کہ ہے مجھے
امیدِ لطف ہر ستمِ ناروا کے بعد

شکوہ ہے اپنے کشتۂ بیداد سے انھیں
دیکھا نہ انتظارِ تلافی جفا کے بعد

فانیؔ اسی خلش سے عبارت ہے یادِ دوست
جو انتہا کی زد میں نہ ہو ابتدا کے بعد

⁂

ر

رلایا عمر بھر خونِ جگر اک اک مصیبت پر
مٹا کر دم لیا پتھر پڑیں دردِ محبت پر
کہیں عبرت پرستی ہے کہیں حسرت پرستی ہے
خدا کی رحمتیں نازل ہیں کیا کیا دشتِ وحشت پر
حقیقت اور فتنوں کی ہے کیا تیرے مقابل میں
قیامت کو ہوا اپنا سا دھوکا تیرے قامت پر
مرے بے چین دل کو صبر آجائے تو میں جانوں
کہ اے ناصح نہیں رہتا زمانہ ایک حالت پر
جنازے پر ترے کشتے کے ظالم کتنا مجمع تھا
کہ شوقِ دید میں حسرت گری پڑتی تھی حسرت پر

خدا کی رحمتیں نازل ہوں عشقِ فتنہ ساماں پر
یہ دردِ بے دوا احسان ہے تقدیرِ درماں پر
ستم ہائے نمایاں سے نوازش ہائے پنہاں تک
شباب آتے ہی ہر آفت گزر جاتی ہے انساں پر

غمِ امید کے صدقے وہ اضمحلالِ رنگیں ہوں
بہار آنے سے کچھ پہلے جو چھا جائے گلستاں پر

ٹھہر اے نشترِ حرماں ٹھہر یہ ماجرا کیا ہے
مجھے کچھ جان کا دھوکا سا ہوتا ہے رگِ جاں پر

یہ محشر ہے یہاں جو چاک ہے رحمت بداماں ہے
وہ دنیا تھی جو ہنستی ہی رہی ہر چاکِ داماں پر

متاعِ یک جہانِ آرزو جو چند گھڑیاں تھیں
سو وہ اک اک گھڑی بھاری ہے اب بیمارِ ہجراں پر

مری دیوانگی کی شرح میرا ہوش ہے فانیؔ
گریباں ہے مگر وحشت برستی ہے بیاباں پر

○

نہ چاہا حسن کی فطرت نے کوئی داغ دامن پر
رہا محشر میں اپنا خونِ ناحق اپنی گردن پر

قیامت کی کشش رکھتے ہیں دانے میرے خرمن کے
کہیں کی بجلیاں ہوں آ کے چھا جاتی ہیں خرمن پر

محبت میں ہمیں جی کھول کر رونا نہیں آتا
جو چار آنسو ہیں آنکھوں میں تو دو آنسو ہیں دامن پر

بنایا تھا نشیمن شاخِ گل پر کس گھڑی یا رب
بچھی جاتی ہے ہر برقِ بلا شاخِ نشیمن پر

مجھے کھینچے لیے جاتا ہے کیا جانے کہاں کوئی
نہ کچھ احسانِ رہبر ہے نہ کچھ الزام رہزن پر

نگاہیں ڈھونڈتی ہیں دوستوں کو اور نہیں پاتیں
نظر اٹھتی ہے اب جس دوست پر پڑتی ہے دشمن پر

ہنسی آتی ہے تیری سادگیٔ شوق پر فانی
وہ میّت ہی پہ کب آئے جواب آئیں گے مدفن پر

وہ خود اب فریبِ جمال ہے جو نظر تھی جلوۂ یار پر
مجھے اب بہار سے کیا غرض کہ مری خزاں ہے بہار پر

مرے ذوقِ دید کو بجلیاں ہی نصیب ہیں تو نہیں سہی
یہ گناہ ہے تو اٹھا نہ رکھ یہ گناہ روزِ شمار پر

یہ نویدِ گردشِ جام کیا یہ صلائے عیشِ مدام کیا
کہ ہزار لطف کی صحبتیں ہیں نثار اک غمِ یار پر

مرے آشیاں پہ عجب نہیں کبھی برق قصدِ کرم کرے
مگر آہ درخورِ پیش کش نہ وہ مشتِ خس نہ یہ چار پر

وہ مزارِ فانیٔ مبتلا کا نشاں مٹانے کو آئیں گے
یہ وعید وعدے سے کم نہیں کہ وہ آئیں گے تو مزار پر

مورِدِ کفر بنا مظہرِ ایماں ہو کر
دل مرا لوٹ ہے کافر پہ مسلماں ہو کر

صبر و ہوش و خرد و تاب کا شکوہ کیا ہے
تم ہی جب چھوڑ گئے مجھ کو مری جاں ہو کر

کچھ بھی تاثیر ہے الفت میں تو انشاءاللہ
منہ سے ظالم ترے نکلے گی "نہیں" ہاں ہو کر

عشق عشق ہو شاید حسن میں فنا ہو کر
انتہا ہوئی غم کی دل کی ابتدا ہو کر

دل ہمیں ہوا حاصل درد میں فنا ہو کر
عشق کا ہوا آغاز غم کی انتہا ہو کر

نامراد رہنے تک نامراد جیتے ہیں
سانس بن گیا اک اک نالہ نارسا ہو کر

اب ہوئی زمانے میں شیوۂ وفا کی قدر
عالم آشنا ہے وہ دشمن آشنا ہو کر

اور بندے ہیں جن کو دعویٰ خدائی ہے
تھی ہماری قسمت میں بندگی خدا ہو کر

بندۂ خدائی ہے، مدعی خدائی کا
بندے نے خدائی کی بندۂ خدا ہو کر

عمرِ خضر کے انداز ہر نفس میں پاتا ہوں
زندگی نئی پائی آپ سے جدا ہو کر

بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے مرتے ہیں نہ جیتے ہیں
درد پر خدا کی مار دل میں رہ گیا ہو کر

کارگاہِ حسرت کا حشر کیا ہوا یارب
داغِ دل پہ کیا گزری نقشِ مدعا ہو کر

عشق سے ہوئے آگاہ صبر کی بھی حد دیکھی
خاک میں ملا دو گے دیر آشنا ہو کر

کی قضائے مبرم نے زندگی کی غمخواری
درد کی دوا پہنچی دردِ بے دوا ہو کر

زندگی سے ہو بیزار فانیؔ اس سے کیا حاصل
موت کو منالو گے جان سے خفا ہو کر

کر نہ فریاد خموشی میں اثر پیدا کر
درد بن کر دلِ بے درد میں گھر پیدا کر

میں دعا موت کی مانگوں تو اثر پیدا کر
ورنہ یارب شبِ فرقت کی سحر پیدا کر

تہہ میں جا سطح سے تو قطعِ نظر کر کے دیکھ
قطرے قطرے میں سمندر ہے نظر پیدا کر

جتنے غم چاہے دیئے جا مجھے یارب لیکن
ہر نئے غم کے لیے تازہ جگر پیدا کر

یا اسے کر کسی تجلی کے حوالے یارب
یا مرے نخلِ تمنا میں ثمر پیدا کر

حیراں ہوں رنگِ عالمِ تصویر دیکھ کر
کیا یاد آگیا مجھے زنجیر دیکھ کر

قسمت کے حرف سجدۂ در سے مٹا تو دوں
دل کانپتا ہے شوخیٔ تدبیر دیکھ کر

ہے ہے وہ اہلِ ذوق کی زنداں نوازیاں
سر پیٹتا ہوں خانۂ زنجیر دیکھ کر

وہ بے وفا جفا سے بھی اب آشنا نہیں
کیا منفعل ہوں آہ کی تاثیر دیکھ کر

فانی وداعِ ہوش ہی کرنا پڑا مجھے
تن سے وداعِ روح میں تاخیر دیکھ کر

ہر تبسم کو چمن میں گریہ ساماں دیکھ کر
جی لرز جاتا ہے ان غنچوں کو خنداں دیکھ کر

آخر آخر ہوش ہی وحشت بھی تھی حیرت بھی تھی
دل کو عالم آفریں، صحرا بداماں دیکھ کر

شیوہ اپنا غم پرستی قبلہ اپنا خاکِ دل
روحِ غم کو پیکرِ خاکی میں انساں دیکھ کر

ہر تسلی سے سوا ہوتی گئی دل کی تڑپ
درد کچھ سے کچھ ہوا ساماںِ درماں دیکھ کر
اس کو انجامِ خودی اور اس پہ لطفِ بیخودی
وہ کرم کرتے ہیں ظرفِ اہلِ عرفاں دیکھ کر
معنیٔ صورت میں ہم نے تیری صورت دیکھ لی
تیری قدرت دیکھ لی انساں کو انساں دیکھ کر
قبرِ فانی پر ہیں وہ برچیدہ دامن اے نسیم
منتشر کر خاک لیکن ان کو داماں دیکھ کر

○

دل مایوس کو اے عہدِ کرم شاد نہ کر
ناز پروردۂ غم ہے اسے برباد نہ کر
اے تقاضائے خرد مجھ پہ یہ بیداد نہ کر
میں ہوں دنیائے محبت مجھے برباد نہ کر
روح اربابِ محبت کی لرز جاتی ہے
تو پشیماں تھا اپنی جفا یاد نہ کر
غم ہستی ہی سہی تیرے سوا کوئی ہو
دل کہ بستی ہے تری غیر سے آباد نہ کر
خامشی عین فغاں ہے نہ پائے اے دل
اور جو فریاد ہی کرنا ہے تو فریاد نہ کر
صبر شایانِ محبت تو نہیں ہے لیکن
شکر اگر بن نہ پڑے شکوۂ بیداد نہ کر
دل کی حسرت اثرِ زیست نہ گزرے فانی
ہوش لازم ہے مگر ہوش کو آزاد نہ کر

○

ہجر میں مسکرائے جا دل میں اسے تلاش کر
نازِ ستم اٹھائے جا رازِ ستم نہ فاش کر

شیوۂ عاشقی ہے یہ حاصلِ زندگی ہے یہ
آہِ جگر گداز کھینچ نالۂ دل خراش کر

درد دیا کرم کیا اب اسے لا دوا بنا
شیشۂ دل عطا کیا اب اسے پاش پاش کر

سہل نہیں ہے مسئلہ قربِ حریمِ ناز کا
دل کو غم آشنا بنا خوگرِ دور باش کر

فانی اب انتہا ہوئی نزع میں ضبطِ عشق کیوں
اب تو کسی کا نام لے اب تو یہ راز فاش کر

○

گزرے گی اب نہ غم کا مداوا کیے بغیر — بنتی نہیں اجل سے تقاضا کیے بغیر
دل کامیابِ شوق ہے بے منتِ نگاہ — جلوے ہیں دلفریب تماشا کیے بغیر
اللہ رے اعتمادِ محبت کہ آج تک — ہر درد کی دوا ہے وہ اچھا کیے بغیر
وہ جان ہی نہیں جو نہ ہو جائے نذرِ دوست — دل ہی نہیں ہے اسکی تمنا کیے بغیر
ممکن نہیں ہے راحتِ دنیا کی آرزو — غم رائگانِ راحتِ دنیا کیے بغیر
اس ضبط و احتیاط پہ رسوا ہے رازِ عشق — پردے ہیں حسنِ دوست ہے پردا کیے بغیر
لازم سی ہے حیات کہ فانی مفر نہیں — جینے کی تلخیوں کو گوارا کیے بغیر

○

جی ڈھونڈتا ہے گھر کوئی دونوں جہاں سے دور
اس آپ کی زمیں سے الگ آسماں سے دور

شاید ہیں در خورِ نگہ کرم بھی نہیں
بجلی تڑپ رہی ہے مرے آشیاں سے دور

وہ پوچھتے ہیں اور کوئی دیتا نہیں جواب
کس کی وفا ہے دسترسِ امتحاں سے دور

آنکھیں چرا کے آپ نے افسانہ کر دیا
جو حال تھا زباں سے قریب آسماں سے دور

ہے منع راہِ عشق میں دیر و حرم کا ہوش
یعنی کہاں سے پاس ہے منزل کہاں سے دور

تا عرضِ شوق میں نہ رہے بندگی کی لاگ
اک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دور

فانیؔ دکن[1] میں آکے یہ عقدہ کھلا کہ ہم
ہندوستاں میں رہتے ہیں ہندوستاں سے دور

ز

کون اٹھائے مری وفا کے ناز — دل ستم دوست وہ رقیب نواز
اب نئے سر سے چھیڑ پردۂ ساز — میں ہی تھا ایک دکھ بھری آواز

[1] دکن کے عوام الناس شمالی ہند کے علاقہ کو ہندوستان کہتے ہیں اسی طرف اشارہ ہے۔

کھل گیا میری زندگی کا راز
اے شبِ ہجر تیری عمر دراز

صور و منصور و طور ارے توبہ
ایک ہے تیری بات کا انداز

دیکھیے کیا ہو عشق کا انجام
دل کی ہستی ہے موت کا آغاز

رہ گئی تھی جو بازوؤں میں سکت
ہو گئی صرفِ ہمتِ پرواز

آج روزِ وصال فانی ہے
موت سے ہو رہے ہیں راز و نیاز

○

دور لے جا اٹھا کے سرِ حدِ ناز
دل ہے آوارۂ حدودِ نیاز

ہوں مگر کیا یہ کچھ نہیں معلوم
میری ہستی ہے غیب کی آواز

ہوں اسیرِ فریبِ آزادی
پر ہیں اور مشقِ حیلۂ پرواز

آج اچھے نہیں الٰہی خیر
درد کے تیور آہ کے انداز

کیوں فلک انتہا ہوئی کہ نہیں
ایک دم رہ گیا ہے اب دمساز

ہے کوئی شے تو یار و جلوۂ یار
یہ حقیقت ہے اور یہ اصلِ مجاز

ہاں یہاں کوئی شے نہیں باطل
عشق ہے راز عقل پردۂ راز

اپنی صبر آزما نظر کو سنبھال
ہم ہیں مجبور آہ صبر گداز

جانِ فانی ترے کرم پہ نثار
تو نے بخشی حیاتِ مرگ نواز

○

اللہ اللہ یہ شانِ کشتۂ ناز
ہے مری خاک سجدہ گاہِ نماز

ہاں شبِ ہجر آج صبح نہ ہو
ہاں چلی جائے یادِ زلفِ دراز

دھیان تیرا بہشتِ شوق سہی — دلِ عاشق ہے ایک دوزخِ راز
چشمِ حاسد مجھے نہ دیکھ سکی — ہوں دلیلِ بلندیٔ پرواز
آج پہلو میں کیوں ہے سناٹا — کیا ہوئی آہ آہ کی آواز
راس آئے ہیں اشک و آہ کسے — کر نہ آب و ہوائے غم سے ساز
آپ ہی اپنی آڑ میں تو ہے — تو حقیقت ہے اور تو ہی مجاز
ہم ہیں اور عزمِ آشیاں یعنی — رہ گئی دور طاقتِ پرواز
ہے کہ فانی نہیں ہے کیا کہئے — راز ہے بے نیازِ محرمِ راز

ش

برہم ہے میری ذات سے سارا نظامِ عیش
لوٹا ہے میرے عہد میں نیرنگِ نامِ عیش

اب احتیاجِ شکوۂ اختر نہیں مجھے
مینائے خونِ عیش سے بھرتا ہوں جامِ عیش

گلشن صلائے عامِ اسیری ہے سربسر
پھیلا دیا بہار نے پھولوں پہ دامِ عیش

دل چرا کر نگاہ ہے خاموش — ہوش اور مست ہو کے اتنا ہوش
مست کو چاہیے بلا کا ہوش — خم دئے اور دیا نہ اذنِ خروش
ہر مسافر سے پوچھ لیتا ہوں — خانہ برباد ہوں کہ خانہ بدوش
ہوسِ جلوہ اور نظر غافل — کہ نظر ہے صلائے جلوہ فروش
شاید اب منزلِ عدم ہے قریب — یادِ خاکِ وطن ہے طوفاں جوش
فضل تیرا شفیعِ طاعت و زہد — عدل حامی نواز و عصیاں پوش
ہجر نے کی مفارقت فانیؔ — لے مبارک ہو موت کا آغوش

میں ہوں اک مرکزِ ہنگامۂ ہوش و رمِ ہوش
دل اگر عالمِ مستی ہے تو سر عالمِ ہوش
عدمِ ہوش پہ ہے فطرتِ ہستی مائل
کس توقع پہ اٹھائے کوئی نازِ غمِ ہوش
بیخودی مایۂ عرفانِ خودی ہے یعنی
محرمِ جلوۂ اسرار ہے نا محرمِ ہوش
کچھ نہ وحدت ہے نہ کثرت نہ حقیقت نہ مجاز
یہ ترا عالمِ مستی وہ ترا عالمِ ہوش
مظہرِ ہستی و خلاقِ عدم ہے مری ذات
کچھ نہ تھا ورنہ بجز سلسلۂ برہمِ ہوش

عجب اک سانحۂ ہوش ربا تھی وہ نگاہ
میں ہوں اک عمر سے فانیؔ ہمہ تن ماتمِ ہوش

⁂

غ

○

لب منزلِ فغاں ہے نہ پہلو مکانِ داغ
دل رہ گیا ہے نام کو باقی نشانِ داغ

اے عشق خاکِ دل پہ ذرا مشقِ فتنہ کر
پیدا کر اس زمیں سے کوئی آسمانِ داغ

دل کچھ نہ تھا تمہاری نظر نے بنا دیا
دُنیائے دردِ عالمِ حسرت جہانِ داغ

پہلے اجل کو رخصتِ تلقینِ صبر دے
پھر آخری نگاہ سے سن داستانِ داغ

وہ تیری بزم تھی نہ ملی جس میں چپ کی داد
یہ حشر ہے یہاں تو کھلے گی زبانِ داغ

ہم سادہ دل ہیں خوش کہ ہوئی نذرِ دل قبول
اس بدگماں کو مدِ نظر امتحانِ داغ

سارا ملال پیار کی نظروں سے دھٹ گیا
ان رہزنوں نے لوٹ لیا کاروانِ داغ
فانی زمینِ گورِ غریباں ہے لالہ زار
پھر فصلِ گل میں خاک ہوئی ترجمانِ داغ

*

ق

○

اہلِ نظر کی آنکھوں میں کیوں ہو نہ جائے عشق
بہتر ہے کحلِ طور سے بھی خاکِ پائے عشق
میری نگاہِ شوق نے پایا ہے یہ لقب
دربانِ آستانۂ دولت سرائے عشق
دیوانہ بن کے چھوڑ دے سب سے یگانگی
ناآشنائے عقل ہو اور آشنائے عشق
میں تم سے کیا کہوں نہ سنائے خدا تمہیں
ہے ناشنیدنی مری جاں ماجرائے عشق

*

ک

گزر گیا انتظار حد سے یہ وعدۂ ناتمام کب تک
نہ مرنے دے گی مجھے ستمگر تری تمنائے خام کب تک

اجل مرا اتنا کام کر دے کہ کام میرا تمام کر دے
رہے کوئی زندگی کے ہاتھوں جہاں میں سوئے عام کب تک

وہ آئے وعدے پہ یا نہ آئے بلا سے قسمت جو کچھ دکھا دے
مگر ہمیں دیکھنا تو یہ ہے کہ آج ہوتی ہے شام کب تک

یہ حجت و تکرار چھوڑ دے آ یہ زہد کا عہد توڑ دے آ
رہے گی اے مدعی حرمت شرابِ دنیا حرام کب تک

منزلِ عشق ہے، نمودِ وجود — ہم بھی ہیں تیری بدگمانی تک
موت ہے ایک وقفۂ موہوم — زندگانی سے زندگانی تک
مہربانی کی آس رہنے دے — کون جیتا ہے مہربانی تک
ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا — بات پہنچی تری جوانی تک

نیند تھی چشمِ ناز میں فانی
ایک بے خواب کی کہانی تک

اے دل یہ تری حوصلہ مندی کب تک / اس بزم میں خدمت سپندی کب تک

منزل سے غرض راہ بلا سے کچھ ہو / اندازۂ پستی و بلندی کب تک

ناکام میں جذبۂ خودی کو بھی کبھی / یہ شیوۂ عجز و مستمندی کب تک

کب تک مری سمت بے نیازانہ نگاہ / اے حسن یہ وضعِ خود پسندی کب تک

آخر یہ حجابِ عشق کی خدمت میں / فانیؔ شرفِ نیازمندی کب تک

گ

سیکھے دل کے چھپنے کے ڈھنگ / نہ گئی دل کے ساتھ دل کی اُمنگ

دل ہے اور سحر سازئ ادراک / آنکھ ہے اور فریبِ گردشِ رنگ

تیغِ قاتل تری دہائی ہے / میری موت اور یہ دستبُردِ درنگ

دین و دنیائے دیدہ و دل ہیں / بزمِ صد رنگ و جلوۂ بے رنگ

شمع ہوں بے نیازِ ظلمت و نور / آئینہ ہوں بغیرِ صیقل و زنگ

میں ہوں عالم کو بے دلی کا پیام / خیر و شر مدعا نہ صلح نہ جنگ

رازِ نیرنگئ حقیقت ہوں!
میں ہوں فانیؔ حقیقتِ نیرنگ

مایۂ نازِ راز ہیں ہم لوگ ‏ ‏ محرمِ رازِ ناز ہیں ہم لوگ

بزمِ دل میں دیا نہ عیش کو بار ‏ ‏ صاحبِ امتیاز ہیں ہم لوگ

ہم سے ملتی ہے برقِ طور کو داد ‏ ‏ وہ تبسم نواز ہیں ہم لوگ

عقل عاجز ہے بے خبر ہے ہوش ‏ ‏ چشم بد دور راز ہیں ہم لوگ

حسرتِ امید سے مراد ہیں ہم ‏ ‏ گلہ ہائے دراز ہیں ہم لوگ

تیری ناز آفرینیاں ہیں گواہ ‏ ‏ کہ سراپا نیاز ہیں ہم لوگ

حسن بے جلوہ کچھ سہی فانی! ‏ ‏ جلوۂ جلوہ ساز ہیں ہم لوگ

ل

ٹھکرا کے اڑا دے پھر ہر ذرۂ خاکِ دل
ہر سجدے سے پیدا کر اک سجدۂ مستقبل

مشکل ہو تو آساں ہو مشکل ہی نہیں شاید
آساں ہی نہیں ہوتی اللہ ری مری مشکل

اک حق کے سوا کوئی ہستی ہی نہ تھی یارب
یوں میرے سر آنکھوں پر تمیزِ حق و باطل

اس کشتیٔ ہستی کو طوفاں ہی مبارک تھا
گردابِ حوادث کے آغوش میں تھا ساحل
ہر دل میں ترا جلوہ ہر لب پہ ترا چرچا
غم زینتِ صد خلوت غم رونقِ صد محفل

○

مجھے عزیز ہے فرمانِ موت میں تعجیل
کہ موت کی یہ تمنا ہے زندگی کی دلیل
نویدِ لطف ہے دل کی ہر آرزو کے لیے
تری نگاہ ہوئی خونِ آرزو کی کفیل
ابھی سے شورِ قیامت جگا رہا ہے مجھے
ابھی ہوئی تھی کچھ آرام تک نفس کی سبیل
ترے خیال کو واجب کیا محبت نے
ترے خیال کی ممکن نہ تھی کوئی تشکیل
سراغِ منزلِ تائیدِ راہ بر تو کجا
ملا نہ راہِ وفا میں نشانِ فرسخ و میل
عجب نہیں تری رحمت کی حد نہ ہو کوئی
گناہ گارِ ازل ہوں مری سزا میں یہ ڈھیل
نگاہِ آخرِ فانیؔ سے مختصر سن لو
زبانِ خلق پہ ہو گی یہ داستان طویل

م

خاک بہ سر تجھ سے صبا اور ہم
خوں شدہ دل تجھ سے حنا اور ہم

وادیٔ محبوں میں گزر کر گئے دیکھ
خاک اڑاتے ہیں صبا اور ہم

درخورِ انعام جفا اور رقیب
قابلِ تعزیرِ وفا اور ہم

گم شدگانِ رہِ غم کی مثال
قیس ہے اک آبلہ پا اور ہم

عقدۂ دل گو نہ کھلے یا کھلے
آنچ ہے وہ بندِ قبا اور ہم

دل اور دل میں یاد کسی خوش خرام کی
سینے میں حشر لے کے چلے ہیں جہاں سے ہم

اب چارہ سازیٔ دلِ بیمار کیا کریں
اے مرگِ ناگہاں تجھے لائیں کہاں سے ہم

اللہ رکھے ہم کو سہارا ہے ضعف کا
بیٹھے تو پھر اٹھیں گے نہ اس آستاں سے ہم

کیا کیا دیئے فریب غمِ عشقِ یار نے
دل ہم سے بدگمان ہے اور رازداں سے ہم

○

کیا کہیں کیوں خاموش ہوئے ہیں سن کے تری فرقت کی خبر ہم
نالۂ دل کے جتنے تھے اجزا ہو گئے سارے درہم و برہم
گو بیٹھے بھی اٹھے بھی ہم محفلِ دشمن میں تری خاطر
بیٹھ گئے دلِ زار کی صورت اٹھے صورتِ دردِ جگر ہم
شکوۂ جورِ بتاں ہم کرتے ظاہر دردِ نہاں ہم کرتے
مانا آہ و فغاں ہم کرتے لاتے کہاں سے تجھ کو اثر ہم
کوئی گھڑی اے بیخودیٔ غم دم لینے دے سنبھل لینے دے
آ کوئی دم اے ہوش کہ تجھ سے پوچھیں گے کچھ اپنی خبر ہم
دوست تسلی دینے آئے لے کے دوائیں چارہ گر آیا
لیجئے آئی زخمِ جگر پر اور اک تازہ آفتِ مرہم
ڈوب ہی جا اے کشتیٔ ہستی کچھ تو ہو آخر ورنہ کہاں تک
بحرِ تلاطم خیز جہاں میں یوں ہی رہیں گے زیر و زبر ہم
گھڑیاں اپنے غم کی ہم نے غنچوں میں چل پھر کے گزاریں
آئے گئے فانیؔ باغِ جہاں میں گویا، مثلِ نسیمِ سحر ہم

○

وادیٔ شوق میں وارفتۂ رفتار ہیں ہم
بیخودی کچھ تو بتا کس کے گنہگار ہیں ہم

ہاں ابھی بے خبرِ لذتِ آزار ہیں ہم
مژدہ اے مشقِ ستم تازہ گرفتار ہیں ہم

ہو غمِ ہستیِ جاوید گوارا کیوں کر
جان کیا دیں کہ بہت جان سے بیزار ہیں ہم

میں نے گویا صلۂ مہر و وفا بھر پایا
کاش اتنا ہی وہ کہہ دیں کہ جفا کار ہیں ہم

حسنِ حیرت تو میسر ہے تماشا نہ سہی
تیری محفل میں ہیں گو نقش بہ دیوار ہیں ہم

یوں تو کچھ غم سے سروکار نہ راحت کی تلاش
غم کوئی دل کے عوض دے تو خریدار ہیں ہم

وہ ہے مختار سزا دے کہ جزا دے فانی
دو گھڑی ہوش میں آنے کے گنہ گار ہیں ہم

○

زندگی کا ہے امتحاں انجام — حذر اے آہ الاماں انجام
تیرے گھر کی زمیں ارے توبہ — ذرہ ذرہ ہے آسماں انجام
حسن ہے جاودانِ بے آغاز — عشق آغازِ جاوداں انجام
طبعِ نازک پہ بار اک اک حرف — حالِ دل حرفِ داستاں انجام
اور جو مل جائے دل سے دل یا رب — ایک دل کا ہے دو جہاں انجام
کم نہ تھی عمر اک نظر کے لیے — عشق تھا مرگِ ناگہاں انجام

پوچھتے ہو نشانِ فانی کیا
وہ ہے اک قبرِ بے نشاں انجام

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم

دعا تو خیر دعا ہے امیدِ خیر بھی ہے
یہ مدعا ہے تو انجامِ مدعا معلوم

ہوا نہ رازِ رضا فاش وہ تو یہ کہیے
مرے نصیب میں تھی ورنہ سعی نامعلوم

مری وفا کے سوا غایتِ جفا کیوں ہو
تری جفا کے سوا حاصلِ وفا معلوم

کچھ انکے رحم پہ تھی یوں ہی زندگی موقوف
کہ ان کو رازِ محبت بھی ہو گیا معلوم

ترے خیال کے اسرار بیخودی میں کھلے
ہمیں چھپا نہ سکے ورنہ دل کو کیا معلوم

فریبِ امن میں کچھ مصلحت تو ہے ورنہ
سکونِ کشتی و توفیقِ ناخدا معلوم

وہ التفات کہ تھا اسکی انتہا بھی ہے
خدا کی مار کہ دل کو یہی نہ تھا معلوم

یہ زندگی کی ہے رودادِ مختصر فانی
وجودِ درد مسلم علاج نامعلوم

رازِ ناکائیِ وفا کی قسم
دل جفا دوست ہے خدا کی قسم

جانتا ہوں حقیقتِ باطل
ماسوا تو ہے ماسوا کی قسم

حسنِ مطلق بھی ہے حجاب ان کا
اعتباراتِ برملا کی قسم

دل ہے اب التفات کے قابل
بیکسی ہائے مدعا کی قسم

غمِ فرقت ہے ابتدا دل کی
مالکِ علم ابتدا کی قسم

نور و ظلمت جدا نہیں ہوتے
آپ کی چشمِ سرمہ سا کی قسم

عینِ کشتی ہے رازِ ہر گرداب
زورِ بازوئے ناخدا کی قسم

عشق رسوا بھی کو تھا منظور — سعیٔ اظہارِ ماجرا کی قسم
میں ہوں فانی صحیفۂ باقی — حرفِ بے معنیٔ فنا کی قسم

○

مجھ پہ رکھتے ہیں حشر میں الزام — آئے نہ جائے زباں پہ تیرا نام
ضبط کی کوششیں بھی جاری ہیں — درد بھی کر رہا ہے اپنا کام
جو عبادت نہ ہو ترے غم سے — اہلِ دل پر وہ زندگی ہے حرام
وقفۂ موت بھی غنیمت ہے — کچھ تو فی الجملہ مل گیا آرام
اس نے دیکھا ہے شام کا منظر — جس نے دیکھی ہے بیکسوں کی شام
کس سے اب درد کی دوا چاہوں — درد اٹھتا ہے لے کے تیرا نام
اب قیامت قریب ہے فانی — فتنۂ عشق ہو چلا ہے تمام

ن

○

آئینۂ جلوۂ معشوق ازل کا میں ہوں
عکسِ محبوب ہے دل محوِ تماشا میں ہوں
نگہِ ناز کو ہے فخر کہ میں ہوں قاتل
لبِ جاں بخش کو دعویٰ کہ مسیحا میں ہوں

دلربا دلبر و دلدار و دل آرام تم ہو
عاشق و والہ و دلدادہ و شیدا میں ہوں

سخت مضطر ہوں شبِ ہجر میں تنہائی سے
اے اجل تو ہی خبر لے کہ اکیلا میں ہوں

یاس کی شکل میں امید نظر آئے جسے
سچ تو یہ ہے کہ وہ ناکامِ تمنا میں ہوں

شمع و پروانۂ بزمِ احدی ہوں فانی
عاشق و جلوۂ معشوق سراپا میں ہوں

چراغِ کشتۂ آرام گاہِ بے نشانی ہوں
میں رویائے پریشانِ فنا ہوں یعنی فانی ہوں

خلوصِ ربطِ مرگ و عشق میں کچھ شک نہیں لیکن
عزیزِ خاطرِ نامہربانِ سخت جانی ہوں

دیارِ نامرادی میں مری اک عمر گزری ہے
ابھی ناواقفِ رسمِ جہانِ کامرانی ہوں

گئے وہ دن کہ میں امیدوارِ مرگ تھا فانی
اب اک مدت سے ماتم دارِ مرگِ ناگہانی ہوں

آکے تماشا گاہِ جہاں میں دادِ تماشا کیا چاہوں
یاں ہر ذرّہ کہتا ہے میں ذرہ نہیں اک دنیا ہوں
محوِ تماشا ہوں میں یا رب یا مدہوشِ تماشا ہوں
اس نے کب کا پھیر لیا منہ اب کس کا منہ تکتا ہوں
شب اشکوں کے طوفاں کا وہ جوش خروش ارے توبہ
ہر اشک امڈ کر کہتا تھا میں دل کے لہو کا دریا ہوں

زباں مدعا آشنا چاہتا ہوں! — دل اب زندگی سے خفا چاہتا ہوں
ادا کو ادا آشنا چاہتا ہوں! — تجھی پر تجھے مبتلا چاہتا ہوں
وفا چاہتے ہیں وفا چاہتا ہوں — وہ کیا چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں
محبت کو رسوا کیا چاہتا ہوں — نظر محرمِ التجا چاہتا ہوں
تعین غمِ عشق کا چاہتا ہوں — انھیں چاہتا ہوں یہ کیا چاہتا ہوں
ترے دل کو درد آشنا چاہتا ہوں — بھلا چاہتا ہوں بُرا چاہتا ہوں
بہت تنگ ہے وہم ہستی کی دنیا — میں عالم ہی اب دوسرا چاہتا ہوں
شبِ ہجر تیرا تصور رہی تو ہے — تجھے آج تجھ سے جدا چاہتا ہوں
مری موت ماتم کا حسنِ طلب ہے — سکوں ایک ہنگامہ زا چاہتا ہوں
خطا ڈھونڈتا ہوں عطاؤں کے قابل — عطا چاہتے ہیں خطا چاہتا ہوں
پھر اس بزم کو ڈھونڈتی ہیں نگاہیں — پھر اک شکوہ برملا چاہتا ہوں

وہ فریاد کا عہد پھر یاد آیا — پھر اک نالۂ نارسا چاہتا ہوں
پھر آدابِ فرقت ہیں ملحوظ یعنی — ہجومِ بلا در بلا چاہتا ہوں
پھر اک سجدۂ توبہ کی آرزو ہے — تجھے آپ سے پھر خفا چاہتا ہوں
پھر امیدوارِ کرم ہوں کہ فانی — ستم ہائے شوق آزما چاہتا ہوں
کوئی وجہِ تسکیں نہیں غم نہ راحت — خدا جانے فانی میں کیا چاہتا ہوں

تسکین عجب چاہتا ہوں — دشمن کا نصیب چاہتا ہوں
تم دل میں بھی رہ کے دور سے ہو — کچھ اور قریب چاہتا ہوں
ہوں محوِ جمالِ عالم افروز — عالم کو رقیب چاہتا ہوں
انجامِ بجز ہو نظر کا — دیدارِ حبیب چاہتا ہوں
غم ہو جو خوشی بنا کے چھوڑے — فانی وہ نصیب چاہتا ہوں

ہر سانس کے ساتھ جا رہا ہوں — میں تیرے قریب آ رہا ہوں
یہ دل میں کراہنے لگا کون — رو رو کے کسے رلا رہا ہوں
اب عشق کو بے نقاب کر کے — میں حسن کو آزما رہا ہوں
اسرارِ جمال کھل رہے ہیں — ہستی کا سراغ پا رہا ہوں
تنہائی شامِ غم کے ڈر سے — کچھ ان سے جواب پا رہا ہوں

لذت کشِ آرزو ہوں فانی
دانستہ فریب کھا رہا ہوں

مانا کہ تری راہ کا نشاں ہوں / یہ بھی تو بتا کہ میں کہاں ہوں
میں تجھ سے جدا ہوں تو نہیں ہے / تو ہے مرے پاس میں جہاں ہوں
جو حال ہے عرضِ حال بھی ہے / میں آپ ہی اپنی داستاں ہوں
جو چھپ نہ سکے وہ راز ہے عشق / کچھ کہہ نہ سکے وہ رازداں ہوں
مجھ سے نہ ملا سراغِ ہستی / بیٹھی ہوئی گردِ کارواں ہوں
خم ہے سرِ عرش میرے آگے / کس سجدۂ شوق کا نشاں ہوں
ہے میری بقا فنا میں فانی / اس باغ میں برقِ آشیاں ہوں

گردش میں تھا وہ ایک ہی جلوہ کہاں کہاں
تھی فرشِ راہ چشمِ تماشا کہاں کہاں
ذرّے میں دشت قطرے میں طوفاں چھپے رہے
ڈالا مری نگاہ نے پردا کہاں کہاں
بزمِ الست دارِ فنا جلوہ گاہِ حشر
پہنچی ہے لے کے ان کی تمنا کہاں کہاں
قلب و جگر کے درد کا پھر کس کو ہوش تھا
جب اس نے مسکرا کے یہ پوچھا کہاں کہاں
آخر نگاہِ دوست میں فانی نے پا لیا
یوں مرگِ ناگہاں تجھے ڈھونڈا کہاں کہاں

کم ہے ہر ذرۂ خورشید اثر کا دامن — کم ہے آج آنکھ میں اک قطرۂ دریا دامن
یہ مرے دستِ تظلم کی رسائی بہ نصیب — ہجر میں دامنِ دل حشر میں ان کا دامن
پست کر حوصلۂ ذوقِ تماشا کہ ہنوز — دور ہے وہمِ نظر سے وہ اچھوتا دامن

مری آنکھوں سے بہنا چاہیے دل کا لہو برسوں
رہی ہے ان کو خونِ آرزو کی آرزو برسوں
جیے جانے کی ہمت کس سے اٹھتی کس طرح اٹھتی
ترے غم نے بچائی زندگی کی آبرو برسوں
نگاہوں نے دلوں میں دل نے آنکھوں میں تجھے ڈھونڈا
تری دھن میں رہے سودائیانِ جستجو برسوں
نقابِ جلوہ کی کایا پلٹ دی شوقِ بے حد نے
مری وحشت نے توڑا ہے طلسمِ رنگ و بو برسوں
تری ایذا پسندی کی ادا بھی کیا قیامت ہے
مجھے مرنے نہ دے گی آرزوئے مرگِ تو برسوں
ہماری بے کسی کی موت بدلہ تھی اسیری کا
رہا طوقِ اسیری بھی گرفتارِ گلو برسوں
کیے جائیں گے دل کے خاتمے پر شکر کے سجدے
وفاؤں نے کیا ہے خونِ حسرت سے وضو برسوں

نہ چھیڑ اے نامرادی خستۂ امیدِ باطل ہوں
رہا ہے چاک دل آزردۂ منتِ رفو برسوں
تجھے اور حالِ دل سے یہ تغافل توبہ کر توبہ
کہ تجھ سے میری خاموشی نے کی ہے گفتگو برسوں
مری اک عمر فانی نزع کے عالم میں گزری ہے
محبت نے مری رگ رگ سے کھینچا ہے لہو برسوں

فرقت میں تارِ اشک ہے ہر تارِ آستیں
ہر داغِ خوں ہے دیدۂ خوں بارِ آستیں
رکھ بخیۂ جنوں سے سروکارِ آستیں
کب تک رہیں گے ہاتھ گرفتارِ آستیں
کل تک جو ہاتھ چشم و چراغِ جنوں رہا
ہے آج فرطِ ضعف سے آزارِ آستیں
انبار آنسوؤں کے ہیں خونِ جگر کے ڈھیر
معمور ہے خزانۂ سرکارِ آستیں

چھائی ہوئی ہیں دل پر اسرار کی گھٹائیں
رحمت کی تجلیوں سے معمور ہیں فضائیں
رہ جائے کیوں فنا کا ہنگامہ نامکمل
کچھ میری زندگی سے لے لیجیے بلائیں
ہاں اے یقینِ وعدہ دامن ترا نہ چھوٹے
یہ آسرا نہ ٹوٹے وہ آئیں یا نہ آئیں
دیکھوں سنا کرو گے بیگانہ وار کب تک
تم میری حسرتوں کی خاموش التجائیں
انصاف چاہتا ہوں انصاف ہو رہے گا
بیدادگر یہ آہیں خالی گئیں نہ جائیں
کہتے جو دردِ دل کو تم دردِ دل سمجھتے
افسانہ کیا سنو گے افسانہ کیا سنائیں
وہ منفعل نگاہیں کیا کہہ گئیں کہ فانی
شرمندۂ اثر ہیں روٹھی ہوئی دعائیں

○

اُن کے آگے جب یہ آنکھیں ڈبڈبا کر رہ گئیں
وہ حیا پرور نگاہیں مسکرا کر رہ گئیں

کچھ جفاؤں کی تلافی کچھ وفاؤں کا صلہ
وہ ادائیں صبر ہی صبر آزما کر رہ گئیں

آسماں سر پر اٹھا لینے کی ہمت اب کہاں
لب تک آئیں بھی اگر آہیں تو آ کر رہ گئیں

ثبت تھی اوراق کن پر صرف میری سرگزشت
ہستیاں میرا ہی افسانہ سنا کر رہ گئیں

اب مری بربادیوں کو حشر کا ہے انتظار
جس قدر فتنے بپا کرتے اٹھا کر رہ گئیں

○

میری آشفتہ حالیاں نہ گئیں
دل کی نازک خیالیاں نہ گئیں

دل حریفِ زوالِ غم نہ ہوا
عشق کی بے کمالیاں نہ گئیں

موت ہی زندگی کی حد نہ رہی
غم کی بے اعتدالیاں نہ گئیں

میری رسوا نگاہیاں جائیں
تیری رسوا جمالیاں نہ گئیں

عشق بے گانۂ حجاب نہ رہا
حسن کی بے مثالیاں نہ گئیں

ہوش میں لاکھ انقلاب آئے
عقل کی خستہ حالیاں نہ گئیں

موت بھی آ ہی جائے گی فانیؔ
تیری محزوں خیالیاں نہ گئیں

○

لاؤ کچھ تکملۂ شوق کا ساماں کرلیں
دلِ بیتاب کو بھی دیدۂ حیراں کرلیں
ہر نفس وقفِ خیالِ رخِ جاناں کرلیں
زندگی ہجر میں دشوار ہے آساں کرلیں
دادِ مظلوم نگاہی کبھی تو لے لینے دے
ٹھیرا اے موت کہ قاتل کو پشیماں کرلیں

○

کیا اب سے موت کو بھی ہم زندگی بنالیں
کیوں کر تری خوشی کو اپنی خوشی بنالیں
فرزانگی تو اپنا مقدور ہی نہیں ہے
کہیے تو عقل ہی کو دیوانگی بنالیں
جن کو خیال پر بھی قابو نہ ہو وہ فانیؔ
تقدیر کیا بناتے تدبیر ہی بنالیں

○

آپ سے شرحِ آرزو تو کریں
آپ تکلیفِ گفتگو تو کریں
وہ نہیں ہیں جو وہ کہیں بھی نہیں
آئیے دل میں جستجو تو کریں
اہلِ دنیا تجھے سمجھ لیں گے
دل کسی دن ذرا لہو تو کریں
رنگ و بو کیا ہے یہ تو سمجھا دو
سیرِ دنیائے رنگ و بو تو کریں

وہ اُدھر رُخ اِدھر ہے میت کا　　لوگ فانیؔ کو قبلہ رُو تو کریں

○

خود مسیحا خود ہی قاتل ہیں تو وہ بھی کیا کریں
زخمِ دل پیدا کریں یا زخمِ دل اچھا کریں
دل رہے آلودہ دامن اور ہم دیکھا کریں
آج اے اشکِ ندامت آ تجھے دریا کریں
جسمِ آزادی میں پھونکی تو نے مجبوری کی رُوح
خیر جو چاہا کیا اب یہ بتا ہم کیا کریں
خون کے چھینٹوں سے کچھ پھولوں کے خاکے ہی سہی
موسمِ گل آ گیا زنداں میں بیٹھے کیا کریں
جا بجا تغئیرِ حالِ دل کے چرچے ہیں تو ہوں
ہم ہوئے رسوا مگر اب ہم کسے رسوا کریں
ہاں نہیں شرطِ مروت حسرتِ تاثیرِ درد
رحم آ ہی جائے گا اُن کو تقاضا کیا کریں
شوقِ نظارہ سلامت ہے تو دیکھا جائے گا
اُن کو پردہ ہی اگر منظور ہے پردہ کریں
ظرفِ ویرانہ بقدرِ ہمتِ وحشت نہیں
لاؤ ہر ذرّے میں پیدا وسعتِ صحرا کریں
مرگِ بے ہنگام فانیؔ وجہِ تسکیں ہو چکی
زندگی سے آپ گھبراتے ہیں گھبرایا کریں

کیوں دل کو صرفِ کشمکشِ جستجو کریں
لاؤ اسے شہیدِ غمِ آرزو کریں

کچھ شغل چاہیے جو نظر کو تو پھر حضور
دل چاک ہو گیا ہے اسی کو رفو کریں

تھوڑی سی دیر گریۂ خونیں ہی اور سہی
بڑھ لے کچھ اور درد تو دل کو لہو کریں

ناخوشگوار ہے جو محبت کا تذکرہ
اچھا تو لاؤ اور کوئی گفتگو کریں

فرقت میں موت مانگنے والوں کا کیا قصور
آخر یہ نامراد کوئی آرزو کریں

مطلب یہ ہے کہ آج ہوئی نذرِ دل قبول
ارشاد ہے کہ آئینہ ہم روبرو کریں

فانی اب اٹھ کہ مست ہیں جھونکے نسیم کے
چل کر چمن میں شغلِ مے بے سبو کریں

زخمِ نصیب تھا جگر زخمِ جگر سے کیا کہیں
اُن کی نظر نے کیا کیا اُن کی نظر سے کیا کہیں

رسمِ وفا سے بے خبر ہم بھی نہیں مگر حضور
بس بھی تو آنسوؤں پہ ہو دیدۂ تر سے کیا کہیں

آہ انھیں کی ہے عطا خیر وہ بے اثر سہی
دیں گے اثر بھی اب وہی بابِ اثر سے کیا کہیں

رازِ نیاز ہے کہیں منہ سے نکالنے کی بات
سجدۂ دل کی واردات سجدۂ سر سے کیا کہیں

شکوۂ غم سے فائدہ شکرِ ستم بھی کیا ضرور
حسن کے شعبدوں کا حال شعبدہ گر سے کیا کہیں

دل کے سوا یہاں کوئی محرمِ دردِ دل نہیں
بنجروں سے کیوں کہیں اہلِ خبر سے کیا کہیں
حسنِ جفا پسند سے حسرتِ عرضِ شوق کیا
تشنہ لبی کا ماجرا آبِ گہر سے کیا کہیں
دل کے چمن کی کلی دیر ہوئی کہ جل گئی
بادِ سحر کو کیا خبر بادِ سحر سے کیا کہیں
فانی اب ان سے عرضِ حال کیجیے بار بار کیا
وہ نئے سر سے کیا سنیں ہم نئے سر سے کیا کہیں

○

کیسی بہار اب وہ خزاں کے بھی دن گئے
اب ہم کہیں ہیں دام کہیں آشیاں کہیں
یوں ہم نشانِ دوست بنے بھی تو کیا بنے
ملتا نہیں کسی کو ہمارا نشاں کہیں
غم رہ گیا ہے عہدِ محبت کی یادگار
یہ بھی نہ ہو نصیب دلِ دشمناں کہیں

ﷲ

لہ ان تینوں اشعار میں اس عبرت ناک زندگی کی طرف اشارہ ہے جو فانی صاحب نے حیدرآباد میں گزاری حالانکہ بظاہر بڑے بڑے درباروں میں ان کی رسائی تھی۔

○

وعدوں پہ ہیں کیوں ناحق امید کی تاکیدیں[1]
بندھتی ہیں کہیں ظالم ٹوٹی ہوئی امیدیں

یہ فیضِ محبت ہے اقبالِ محبت ہے
ہر آہ کو حاصل ہیں تاثیر کی تائیدیں

آغازِ محبت کے اللہ وہ کیا دن تھے
وہ شوق کے ہنگامے وہ شوق کی تمہیدیں

بیداد اسے کہتے ہیں شوخی تو نہیں کہتے
خود درد بھی دیں اس پر خود صبر کی تاکیدیں

شہزادۂ والاشان آئے تھے کہ عید آئی[2]
اس سال مبارک ہوں فانی تجھے دو عیدیں

○

اتنا تو پوچھ لیجیے جانے سے پیشتر
حسرت تو اب نہیں دلِ امیدوار میں

منت پذیرِ ہمدمیٔ دوستاں نہیں
اپنا ہی ہیں انیس ہوں شب ہائے تار میں

---

[1] بعض وعدہ خلافیوں کو مخاطب کیا ہے۔

[2] جو ہز ہائینس شہزادۂ والاشان نواب معظم جاہ بہادر کی واپسی از سفر کی طرف اشارہ ہے۔

قسمت ہوئی تھیں روزِ ازل جتنی شوخیاں
سب جمع ہو گئیں نگہ شرمسار میں
اللہ رے کثرتِ گل و ریحاں کہ ان دنوں
فردوس ایک پھول ہے دستِ بہار میں

○

جو تابِ دل نوازیٔ درماں نہ لا سکے
میں ہوں وہ دردِ غم کدۂ روزگار میں
ہے عکسِ روئے دوست یہ ایک پرتوِ مجاز
میری نظر بھی کھنچ گئی تصویرِ یار میں
دعویٰ یہ ہے کہ دوریٔ معشوق ہے محال
مطلب یہ ہے کہ قرب نہیں اختیار میں
قربان اک ادائے تغافل پہ لاکھ بار
وہ زندگی جو صرف ہوئی انتظار میں

○

امیدِ کرم کی ہے ادا میری خطا میں
ایک بات نکلتی ہے مری لغزشِ پا میں
سمجھو تو غنیمت ہے مرا گریۂ خونیں
یہ رنگ ہے پھولوں میں نہ یہ بات حنا میں

جھک جاتے ہیں سجدے میں سر اور پھر نہیں اٹھتے
کیا سحر ہے کافر ترے نقشِ کفِ پا میں

وہ جانِ محبت ہیں وہ ایمانِ محبت
جو ان کے اشارے ہیں محبت کی ادا ہیں

پاتا ہوں کچھ آثارِ تمنا ابھی فانیؔ
کھوئی ہوئی دنیا ہے مری دل کی فضا میں

○

پہلوئے زوال ہوں معنئ کمال میں — میں ہوں جدا امتیازِ جلوہ و جمال میں
بیخودی کدھر گیا وہ حجابِ اضطراب — کیا ہوا جو فرق تھا ہجر اور وصال میں
آدمی میں کچھ نہیں آپ نے سمو دیا — عالمِ غبار کو عالمِ خیال میں
ابتدائے زندگی انتہائے زندگی — آپ کے خیال سے آپ کے خیال میں
عرضِ ناز راز ہے کثرتِ مجاز کا — آئینے سے لگ گئے پرتوِ جمال میں
میرے ہر سوال پر وہ خموش ہی رہے — کیا مرا جواب تھا خود مرے سوال میں
فانیؔ شکستہ دل تو نے کر دیئے جدا — ورنہ ممکناتِ شوق جذب تھے محال میں

○

فصلِ خبر پڑھا گئی عمر کے بابِ راز میں — یادِ وصالِ مختصر مل کے شبِ دراز میں
جلوۂ اختیار ہے نسبتِ جبر ہے مجھے — شعلۂ آرمیدہ ہوں وادئ برقِ ناز میں
بے اثری مجھے قبول ایسے اثر کو کیا کروں — اب تو خدا اثر نہ دے آہ اثر گداز میں
ہم نہ ازل سے آجتک سجدہ سے سر اٹھا سکے — چھپ رہے جلوہ ہائے دوست کعبۂ حریمِ ناز میں

حشر میں حشر چاہیے حشر پہ حشر چاہیے
دفن ہیں سجدہ ہائے شوق ناصیۂ نیاز میں

چشم براہِ یار ہوں منتظرِ فنا رہوں
سبزۂ رہ گزار ہوں عالمِ عرضِ ناز میں

چارۂ تپ فراق کا شکر نہیں تو کچھ نہیں
بوئے مزاجِ یار ہے نبضِ بہانہ باز میں

عالمِ درد کا نظام آکے ذرا الٹ نہ دو
عشق سے فرق آ گیا حسن کے امتیاز میں

زہر ہے یاد وائے دل وہ ہیں کہ موت ہے قریب
رعشہ مری نظر میں ہے یا کفِ چارہ ساز میں

فانیٔ زار کا ہوا خیر سے خاتمہ بخیر
عمر تمام ہو گئی عشق کے سوز و ساز میں

جب کی ہے فکر تجزیۂ ہر مثال میں
گم ہو گئی ہے ان کی تجلی جمال میں

امکانِ معرفت کو سمو کر محال میں
وہ دل میں یوں رہے کہ نہ آئے خیال میں

ٹوٹا نہ ہم سے رشتۂ رسمِ حجابِ عشق
چھوٹا نہ ہم سے ہجر کا دامن وصال میں

قدموں پہ گر کے کوئی خطاوار مر نہ جائے
ذوق آفرینیاں ہیں تمہارے ملال میں

ملتی نہیں تصورِ ہستی سے اب نجات
گھر سا گیا ہوں حلقۂ دامِ خیال میں

آخر زمانہ آئینہ دکھلا کے رہ گیا
لانا پڑا انہیں کو تمہاری مثال میں

اپنی طرف بھی جھک کے نگاہیں رہیں بلند
دیکھا کیے کمال کا پہلو زوال میں

گھلتا ہے جی، کہ ہم نہیں مختارِ انفعال
اک موجِ خون بھی ہے عرقِ انفعال میں

فانی ہے اُن سے طالبِ صد مرگِ عاشقی
اے ہمت سوال اثر دے سوال میں

وہ رو ہوں خضر کا رہِ عرفان و خبر میں
وہ نقشِ کفِ پا ہوں تری راہ گزر میں

کانٹوں میں بھی پھولوں کی ادا تھی مرے آگے
اب باغ میں جو پھول ہے کانٹا ہے جگر میں

ادراک ہے مظہر مری شوریدہ سری کا
سودا ہے بعنوانِ محبت مرے سر میں

اس عالمِ تصویر کو دیکھا تو یہ دیکھا
میری ہی نظر محو ہے میری ہی نظر میں

تم تھے تو مری شام میں تھا صبح کا عالم
تم جب سے گئے شام جھلکتی ہے سحر میں

ہر اشک تری یاد کے جلوؤں سے ہے معمور
دنیا سمٹ آئی ہے مرے دیدۂ تر میں

فانیؔ ہے مری آہ و فغاں میں اثر الٹا
شاید مری تقدیر کی گردش ہے اثر میں

آدر نہ جانتا ہوں فریبِ نظر کو میں
دیکھوں الٹ کے پردۂ داغِ جگر کو میں

ہر نقشِ پا کو دیکھ کے دھنتا ہوں سر کو میں
پہچانتا نہیں ہوں تری رہ گزر کو میں

عہدِ خزاں میں رفتۂ آشوبِ ہوش ہوں
بھولا ہوا ہوں موسمِ دیوانہ گر کو میں

گم کردہ راہ ہوں قدمِ اولیں کے بعد
پھر راہبر مجھے نہ ملا راہ بر کو میں

وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو
پوچھوں نہ خضر سے بھی کہ جاؤں کدھر کو میں

مایوسِ انتظار ہوں مجنونِ اضطراب
ہنستا ہوں دیکھ دیکھ کے دیوار و در کو میں

بہلا نہ دل نہ تیرگیٔ شامِ غم گئی — یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں
دو تین ہچکیوں میں دمِ نزع کہہ گیا — شرحِ درازِ زندگیٔ مختصر کو میں
فانیؔ دعائے مرگ کی فرصت نہیں مجھے — یعنی ابھی تو ڈھونڈ رہا ہوں اثر کو میں

○

بتا یا راستہ عشقِ مجازی نے حقیقی کا
خدا کی شان رہزن بھی کبھی رہبر نکلتے ہیں
مری آنکھوں سے ہے زخمِ جگر کو ربطِ پنہانی
ترے پیکاں کے ریزے اشک میں اکثر نکلتے ہیں
الٰہی آگ لگ جائے زمانے کی دو رنگی کو
جنہیں نازک بدن سمجھو وہی پتھر نکلتے ہیں
مبارک فانیٔ بسمل کہ تیرے ذبح کرنے کو
نئی چھریاں نکلتی ہیں نئے خنجر نکلتے ہیں

○

جب[1] دل ربا سے ہم نے آنکھیں لڑائیاں ہیں
آخر اسی نے ہم کو آنکھیں دکھائیاں ہیں
پریاں ہیں فصلِ گل میں چلتی ہیں جو ہوائیں
پھولوں سے اپنی جیبیں بھر بھر کے لائیاں ہیں

---

[1] یہ غزل علیگڈھ کی طالب علمی کے زمانہ کی ہے مولانا حسرت موہانی کی فرمائش پر قدیم زمانہ کی پابندی کے ساتھ ۱۹۰۴ء میں کہی گئی ہے۔

ہے رات وصلِ گل کی اور رت ہے فصلِ گل کی
چُن چُن کے ہم نے کلیاں سیجیں بچھائیاں ہیں

یاں یاد بھی نہیں دل اس کی تلاش کیسی
کیوں دل چرا کے تم نے آنکھیں چرائیاں ہیں

شاید فسانۂ غم سچا سمجھ گئے تم
صدقے ان انکھڑیوں کے یہ کیوں بھرائیاں ہیں

تیری ہی اے شبِ غم کچھ کم نہ تھی سیاہی
کیوں بدلیاں یہ کالی گھر گھر کے چھائیاں ہیں

لاکھوں جتن کیے ہیں مر مر کے ہم جیئے ہیں
کیا کہیے کیسی کیسی کڑیاں اٹھائیاں ہیں

جوشِ جنوں میں اکثر دشمن سے ہم نے فانیؔ
جو دل پہ بیتیاں ہیں سب کچھ سنائیاں ہیں

خرابِ لذتِ دیدارِ یار ہم بھی ہیں
ترے شریکِ دلِ بیقرار ہم بھی ہیں

نہ دن کو چین ہے نہ راتوں کو تیری طرح اداس
جلے ہوئے تو چراغِ مزار ہم بھی ہیں

امیدِ مرگ ہے باقی تو نا امید نہیں
کہ اپنی وضع کے امیدوار ہم بھی ہیں

کسی کی بزمِ طرب میں کچھ ایک شمع نہیں
حریفِ گریۂ بے اختیار ہم بھی ہیں

ادھر بھی دیدۂ عبرت نگاہ ایک نظر
کہ عہدِ شوق کی اک یادگار ہم بھی ہیں

یہاں بھی ہے دلِ آگاہ وقفِ لذتِ درد
خرابِ مستیٔ عیشِ خمار ہم بھی ہیں

حجابِ ہوش اٹھا اب کوئی حجاب نہیں — خیالِ یار سے اب ہم کنار ہم بھی ہیں
جنوں نے دی ہمیں راہِ حیات ورنہ اے فانی — نشانۂ الم روزگار ہم بھی ہیں

مر کر ترے خیال کو ٹالے ہوئے تو ہیں
ہم جان دے کے دل کو سنبھالے ہوئے تو ہیں
رستے ہیں اب کے سال کہ بہتے ہیں دیکھیے
پھر فصلِ گل میں زخمِ دل آئے ہوئے تو ہیں
بیزار ہو نہ جائے کہیں زندگی سے دل
تاثیر سے خفا مرے نالے ہوئے تو ہیں
ہاں دردِ عشق ان پہ کرم کی نظر رہے
صبر و قرار تیرے حوالے ہوئے تو ہیں
یہ صحبتیں بھی دیکھیے لاتی ہیں رنگ کیا
مہمانِ خار پاؤں کے چھالے ہوئے تو ہیں
کیا جانیے کہ حشر ہو کیا صبحِ حشر کا
بیداد تیرے دیکھنے والے ہوئے تو ہیں
ارماں جو یوں نہیں تو نکلتے ہیں کس طرح
یعنی ہمارے دل سے نکالے ہوئے تو ہیں
فانی ترے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی
سانچے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں

یہ دھن ہے تری یا دھیان ہے تیرا جانے اسے کیا کہتے ہیں
اب ہوش و حواس کبھی آٹھ پہر کچھ کھوئے ہوئے سے رہتے ہیں

اچھا ہے اگر دو آگ کے دریا آنسو بن کر بہتے ہیں
آنکھوں میں تو رہ کر یہ فتنے طوفان اٹھائے رہتے ہیں

تو اور کہیں ہم اور کہیں ممکن جو نہ تھا وہ ممکن ہے
جب سنتے تھے تو ڈرتے تھے اب پڑتی ہے تو سہتے ہیں

دل کی ہر لرزشِ مضطر پہ نظر رکھتے ہیں
وہ مری بے خبری کی بھی خبر رکھتے ہیں

درد میں لطفِ خلش کیفِ کشش پاتا ہوں
کیا وہ پھر عزمِ تماشائے جگر رکھتے ہیں

جس طرف دیکھ لیا پھونک دیا طورِ مجاز
یہ ترے دیکھنے والے وہ نظر رکھتے ہیں

خود تغافل نے دیا مژدۂ بیداد مجھے
اللہ اللہ مرے نالے بھی اثر رکھتے ہیں

بے بسی دیکھ یہ سو بار کیا عہد کہ اب
تجھ سے امید نہ رکھیں گے مگر رکھتے ہیں

کوئی اس جبرِ تمنا کی بھی حد ہے فانی
ہم شبِ ہجر میں امیدِ سحر رکھتے ہیں

دل میں آتے ہوئے شرماتے ہیں
اپنے جلوؤں میں چھپے جاتے ہیں

ہر نصیحت ہے نرالی ناصح
ورنہ سمجھے ہوئے سمجھاتے ہیں

وہ مرے قتل کا فرمان سہی
کچھ وہ ارشاد تو فرماتے ہیں

جور کو جور کبھی اب کیا کہیے
خود وہ تڑپا کے تڑپ جاتے ہیں

دل سے فانی یہ الجھ پڑنا کیا
آپ دیوانے کے منہ آتے ہیں

لب پر ہیں اب وہ نالے جو کھوئے ہوئے سے ہیں
آغوشِ اضطراب میں سوئے ہوئے سے ہیں

کرتے ہیں بزمِ ناز سے ہم اکتسابِ رنگ
دامانِ دل لہو میں ڈبوئے ہوئے سے ہیں

گزرا فریبِ ہر غم و شادی کا مرحلہ
ہنستے ہوئے سے اب ہیں نہ روئے ہوئے سے ہیں

غم ہائے روزگار سے ممکن نہیں گریز
یہ بھی ترے ستم میں سموئے ہوئے سے ہیں

بالیں پہ آ کے نزع کے پردے میں چھیڑ دو
نغمے جو سازِ مرگ میں سوئے ہوئے سے ہیں

کچھ پاسِ جوششِ گریہ ہے کچھ پاسِ ضبطِ درد
اشکوں سے آستیں کو بھگوئے ہوئے سے ہیں

دامانِ تیغِ یار سے فانیؔ لہو کے داغ
دھوئے گئے ہیں اور نہ دھوئے ہوئے سے ہیں

○

تیورِ ستم ایجاد سے غمّاز نہیں ہیں
بیداد ہے بیداد کے انداز نہیں ہیں
وہ بے خبرِ شوق ہیں کچھ ان سے نہ کہنا
وہ دردِ محبت ترے ہمراز نہیں ہیں
یہ تیری خموشی کی ادائیں کوئی دیکھے
نغمے ہیں جو شرمندۂ آواز نہیں ہیں
ہم تیری محبت کے گرفتار ہیں صیّاد
یہ تارِ نفس مانعِ پرواز نہیں ہیں
دل سے کبھی اب آتی نہیں فانیؔ خبر اپنی
مدّت ہوئی ہم گوش بر آواز نہیں ہیں

○

مجھ کو شکایتِ ستمِ ناروا نہیں — دل کی سزا یہی ہے تمہاری خطا نہیں
کہنا سوالِ وصل پہ کیا فرض تھا نہیں — آخر کوئی جواب نہیں کے سوا نہیں
عادت ہے التجا و دعا کی وگرنہ ہیں — کیا جانتا نہیں کہ وہ کافر خدا نہیں
دردِ فراق زخمِ جگر حسرتِ وصال — فانیؔ غمِ نصیب کی قسمت میں کیا نہیں

جانتا ہوں کہ مرا دل میرے پہلو میں نہیں
پھر کہاں ہے جو ترے حلقۂ گیسو میں نہیں
ایک تم ہو کہ تمہارے ہیں پرائے دل بھی
ایک میں ہوں کہ مرا دل مرے قابو میں نہیں
دور صیاد چمن پاس قفس سے باہر
ہائے وہ طاقتِ پرواز کہ بازو میں نہیں
دیکھتے ہیں تمہیں جاتے ہوئے اور جیتے ہیں
تم کبھی قابو میں نہیں موت کبھی قابو میں نہیں
حیف جس کے لیے پہلو میں نہ رکھا دل کو
کیا قیامت ہے کہ فانی وہی پہلو میں نہیں

وحشتِ دل اب وہ اگلا سا ستانا چھوڑ دے
خاک اڑائی جس میں برسوں اب وہ صحرا ہی نہیں
ماجرائے دردِ دل کو بے اثر کیوں کر کہوں
بندہ پرور کوئی اس کا سننے والا ہی نہیں
جو کلیجے میں نہ ہو دل میں نہ ہو وہ داغ کیا
ہو نہ جس میں داغ وہ دل وہ کلیجا ہی نہیں
عشقِ صادق وہ کہ دل سے لب تک آئے کیا مجال
حسنِ یکتا وہ کسی نے جس کو دیکھا ہی نہیں

زندگی ہے نام لطفِ صحبتِ احباب کا
یہ نہیں فانیؔ تو جینا کوئی جینا ہی نہیں

○

زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں
ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں
بے ادب گریۂ محرومیٔ دیدار نہیں
ورنہ کچھ در کے سوا حاصلِ دیوار نہیں
آسماں بھی ترے کوچے کی زمیں ہے لیکن
وہ زمیں جس پہ ترا سایۂ دیوار نہیں
ہائے دنیا وہ تری سرمہ تقاضا آنکھیں
کیا مری خاک کا ذرہ کوئی بیکار نہیں

○

شکرِ بیداد سے فارغ لبِ فریاد نہیں
اس تکلف سے ہے بیداد کہ بیداد نہیں
میری نظروں میں تو بے واسطۂ دید ہے تو
میں لعنوانِ تجلی کبھی تجھے یاد نہیں
دلِ مشتاق ہے اور بے حسیٔ شدتِ شوق
اب یہ گھر ترے تصور سے بھی آباد نہیں
غم بہ اندازہ غلط عیش بہ اندازہ حرام
دے مجھے وہ دلِ آگاہ کہ ناشاد نہیں

تیرے ناکام کا ہوتا ہے کہیں کام تمام
تیشۂ غم ہے یہ کوئی تیشۂ فرہاد نہیں
جی چمن ہی میں لگا اور نہ قفس میں بہلا
نالہ بے قید نہیں زمزمۂ آزاد نہیں
کون سمجھے اثرِ جلوۂ مستور کا راز
جو سنی جائے محبت کی وہ روداد نہیں
آشیاں پر کرمِ برق کی باری آئی
مژدہ اے ذوقِ بلا باغ میں صیاد نہیں
حرفِ عبرت ہے ہر افسانۂ ہستی فانیؔ
حرفِ حسرت کے سوا عالم ایجاد نہیں

○

نہیں کہ دل کی روش میں کچھ انقلاب نہیں
اب اضطراب کی صورت میں اضطراب نہیں
نظر وہی ہے جو محرومِ صد تماشا ہو
وہ دل ہے جانِ تمنا جو کامیاب نہیں
غمِ حبیب پیامِ سکونِ موت سہی
مرے نصیب میں تسکینِ اضطراب نہیں
نگاہِ شوق کی رعنائیوں کا کیا کہنا
مگر خدا کی قسم آپ کا جواب نہیں

مجھے یہ دعوتِ روزِ حساب کیوں یارب
مرے گناہ تو شرمندۂ حساب نہیں

یہ قدرِ حوصلہ ہے فرقِ انتظار و فراق
امیرِ خواب نہ تھی آرزوئے خواب نہیں

بجانِ فانیؔ مرحوم اب وہ بات کہاں
تری گلی میں جو وہ خانماں خراب نہیں

○

وہ ہی وہ ہیں مگر ظہور نہیں
اس طرح دور ہیں کہ دور نہیں

کچھ ہمیں کو یہ زندگی ہے عزیز
اُن کی بیداد کا قصور نہیں

گھر جلاتے تو ہو مگر کس کا
دل ہے بندہ نواز طور نہیں

تم یہ مرنا جنہیں نہیں آتا
زندگی کا انہیں شعور نہیں

ہم بھی اپنی وفا پہ ہیں مغرور
بات کی بات ہے غرور نہیں

ترکِ دنیا نہ ہو سکے تو نہ کر
غمِ دنیا مگر ضرور نہیں

ہم نہ تھے کل کی بات ہے فانیؔ
ہم نہ ہوں گے وہ دن بھی دور نہیں

○

عقل کہتے ہیں جسے مقبولِ اہلِ دل نہیں
اس جنوں کو امتیازِ عاشقی حاصل نہیں

ما ورائے حدِ ہر منزل ہے شاید کوئے دوست
ہم نے جو چھانی نہ ہو ایسی کوئی منزل نہیں

گمرہ رو ہوں نقشِ پا بنتے گئے جلتے گئے
مسلک اپنا امتیازِ جادہ و منزل نہیں
ہر لطافت کا تصور ماسوا آلود ہے
آئینۂ دل کا تری تصویر کے قابل نہیں
بزمِ اربابِ نظر ہے کب سے تیری منتظر
آ کہ دل کا نام باقی رہ گیا ہے دل نہیں
وہ مسافر ہوں جو ہو ختمِ سفر سے بے نیاز
میری ہر منزل نشانِ راہ ہے منزل نہیں
بن نہیں پڑتی ہے تیری یاد سے تیری سی بات
ہاں مگر اتنا کہ گویا تو ہی تو ہے مِغزل نہیں
کیا کروں نازک بہت ہے ان کی مرضی کا سوال
ورنہ فانی اس جیے جانے سے کچھ حاصل نہیں

○

ان کی کسی ادا پہ جفا کا گماں نہیں
شوخی ہے جو بسلسلۂ امتحاں نہیں
دیکھا نہیں وہ جلوہ جو دیکھا ہوا سا ہے
اس طرح وہ عیاں ہیں کہ گویا عیاں نہیں
نامہربانیوں کا گلہ تم سے کیا کریں
ہم بھی کچھ اپنے حال پہ اب مہرباں نہیں
اشک لگاوٹیں ہی سہی لاگ تو نہ تھی
یہ کیا ہوا کہ مجھ سے وہ اب بدگماں نہیں
شاید زمینِ کوئے بتاں آسماں ہوئی
کہتے ہیں اب زمیں پہ کہاں آسماں نہیں
برباد صد بہار ہوں میری نگاہ میں
جو آشنائے برق نہیں آشیاں نہیں

ساری ہے دردِ دل مری اک اک رگ میں چارہ ساز
کیا پوچھتا ہے درد کہاں ہے کہاں نہیں
کل تک زبانِ خلق پہ ہو گی وہ داستاں
ابتک مری زبان پہ جو داستاں نہیں
تیرا کرم کہ تو نے وہ دل کو عطا کیا
جو غم بقدرِ حوصلۂ آسماں نہیں
بجلی کہیں گری ہو مگر ہم قفس مجھے
ڈر ہے کہ اب کسی نے کہا آشیاں نہیں
فانی کوئی غم اور بھی اٹھ رہا ہے کیا
دل پر ہنوز بارِ محبت گراں نہیں

لطف و کرم کے پتلے ہو اب قہر و ستم کا نام نہیں
دل پہ خدا کی مار کہ پھر بھی چین نہیں آرام نہیں
جتنے منہ ہیں اتنی باتیں دل کا پتہ کیا خاک ملے
جس نے دل کی چوری کی ہے اک اسی کا نام نہیں
جلوہ و دل میں فرق نہیں جلوے کو ہی اب دل کہتے ہیں
یعنی عشق کی ہستی کا آغاز تو ہے انجام نہیں
رک کے جو سانسیں آئیں گئیں مانا کہ وہ آہیں تھیں لیکن
آپ نے تیور کیوں بدلے آہوں میں کسی کا نام نہیں
عشق کے آزادی کبھی کہیں مر جانے سے جی جاتے ہیں
لے یہ تسلی رہنے دے اب موت یہ تیرا نام نہیں
کب سے پڑی ہیں دل میں تیرے ذکر کی ساری راہیں بند
برسیں گزریں اس بستی میں رسم سلام و پیام نہیں
حد کفی یہ بینائی دل کی جانے اب کیا ہونا ہے
صبر کی حد بھی ہو نے آئی صبح نہیں یا شام نہیں

دل ہی اپنا بس نہیں چلتا ان کی شکایت کیا کیجے
آپ ہم اپنے دشمن ٹھہرے دوست پہ کچھ الزام نہیں

دل سے کسی کی آنکھوں تک کچھ راز کی باتیں پہنچی ہیں
آنکھ سے دل تک آیا ہوں ایسا تو کوئی پیغام نہیں

نزع میں فانی تو نے یہ کس کا چپکے چپکے نام لیا
کیوں او کافر تیری زباں پر اب بھی خدا کا نام نہیں

دل دفعتہً تپش ہے ہائے مگر وجہ تپش دل کوئی نہیں
بسمل ہوں مگر کیوں بسمل ہوں فریاد کہ قاتل کوئی نہیں

کس زعم میں ہے اے رہبر و غم دھوکے ہیں نہ آتا منزل کے
یہ راہ بہت کچھ چھانی ہے اس راہ میں منزل کوئی نہیں

یہ واہمہ تھا یا مشکل تھی کیوں میں نے کہا کیا نادم ہوں
وہ پوچھتے ہیں کیا مشکل ہے کیا کہیے کہ مشکل کوئی نہیں

بس اُن پہ نہ ان کی یاد پہ ہے تقدیر کے کیا کیا پہلو ہیں
تدبیر سے حاصل کچھ بھی نہیں تدبیر سے غافل کوئی نہیں

دریائے محبت بے ساحل اور ساحل بے دریا بھی ہے
جو موج ڈبو دے ساحل ہے یوں نام کا ساحل کوئی نہیں

گر شیشہ و ساغر بادہ و ساقی گل اور شمع سے قطع نظر
محفل میں یہ رونق کس کی ہے جب صاحب محفل کوئی نہیں

خود حسن کمالِ حسن ہے یعنی حسن جہاں ہے کامل ہے
اور عشق مآلِ عشق ہے یعنی عشق میں کامل کوئی نہیں
ہر جلوۂ غیب شہود ہے پھر بھی غیب کے جلوے غیب میں ہیں
نظارہ نظر میں شامل ہے نظارے میں شامل کوئی نہیں
ہستی ہی نہیں جو باطل ہو پھر فرقِ مجاز و حقیقت کیا
یہ مجازِ حقیقت بھی ہے حقیقت ہستیٔ باطل کوئی نہیں
فانیؔ وہ اک دیوانہ تھا جو موت سے پہلے مر جائے
کیا ہوش کی کافر دنیا میں اس موت کے قابل کوئی نہیں

O

جز وہم یقیں وعین یقیں اس منزل آب و گل میں نہیں
یہ عالم دل ہے یعنی وہ آنکھوں میں نہیں جو دل میں نہیں
غم خانۂ دل کا کیا کہنا وہ کچھ بھی سہی یہ بات کہاں
خلوت میں یہاں جو جلوت تھی وہ آج تری محفل میں نہیں
سنتے تھے محبت آساں ہے واللہ بہت آساں ہے مگر
اس سہل میں جو دشواری ہے وہ مشکل سی مشکل میں نہیں
گو راحت و رنج میں فرق نہیں یہ فرقِ مراتب کیا کم ہے
جو سعیٔ حصولِ عیش میں ہے وہ عیشِ غم حاصل میں نہیں
دل خاک سوا ہر چند نگہ پستی کی طرف جو مائل ہو
ایسا کوئی ذرّہ اے دنیا اس خاکِ فلک منزل میں نہیں

جب ڈوبنے والے ڈوب چکے اور ساحل و دریا ایک ہوئے
پھر لطفِ امید و بیم کہاں دریا میں نہیں ساحل میں نہیں
جینے کی حدیں ملتی ہیں کہیں ایمائے اجل ہے آگے بڑھ
منزل کا نشاں ہے ہر منزل آرام کسی منزل میں نہیں
ہم بھی ہوں خیالِ یار بھی ہو اس فکرِ محال سے کیا حاصل
بس اب اے خاکیؔ ہم ہی نہیں یا کوئی ہمارے دل میں نہیں

دنیا سے کچھ نہ پوچھو کیوں سرگرانیاں ہیں
یاروں سے ہمدموں سے کیوں بدگمانیاں ہیں
اس باغ میں ہیں سارے مرجھانے والے پودے
شادی و غم کے جھگڑے جھوٹی کہانیاں ہیں
ہے عمرِ چند روزہ پانی کا بلبلا سا
عالم ہے خواب کا سا یا نوجوانیاں ہیں
یاں ہم نے جس کو پایا اپنی غرض کا پایا
یہ داغ دوستوں کی دل پر نشانیاں ہیں
کرتے تھے فخر جن پر ہم مہرباں سمجھ کر
کیا کیا نہ اُن سے ہم پر نامہربانیاں ہیں
کیا کیجیے شکایت ہے دہر جائے عبرت
جیتے ہیں اور جب تک یہ سخت جانیاں ہیں

بے طرح ہم چھپ ہوئے ہیں جانے کیا کہنے کو ہیں — شاید اب رازِ خموشی برملا کہنے کو ہیں
آزما کر حالِ دل ایمان لاتے ہی بنا — ہم سمجھتے تھے کہ کاہ و کہربا کہنے کو ہیں
موت کو ہم پیار سے کہتے ہیں اپنی زندگی — زندگی کو آفتِ صبر آزما کہنے کو ہیں
مل چکا روزِ قیامت خونِ ناحق کا عوض — وہ دعائے مغفرت کو خوں بہا کہنے کو ہیں
شکوۂ غارت گری اے تغافل کیا کریں — ہم کہ رہزن کو بھی خضرِ رہنما کہنے کو ہیں
کون تھا یارب نمک پاشِ جراحت ہائے دل — زخمِ دامندار کو ہم با فزا کہنے کو ہیں
اور پڑھ فانی اسی دھن میں کوئی تازہ غزل — نکتہ پردازانِ محفل مرحبا کہنے کو ہیں

رند رمز پارسائے بے ریا کہنے کو ہیں — جو فروشِ زہد کو گندم نما کہنے کو ہیں
حسرت اے شوقِ شہادت عبرت اے قاتل کہ ہم — نخلِ ماتم کو نہالِ مدعا کہنے کو ہیں
داستانِ دل نہیں ہے آپ سنیے تو سہی — ہم جفائے آسماں کا ماجرا کہنے کو ہیں
اس سے کہیے جس نے اندازِ جفا دیکھا نہ ہو — جذبِ دل اور وعدۂ روزِ جزا کہنے کو ہیں
تا کجا یہ دل فریبی اے امیدِ جاں بری — چارہ گر اب دردِ دل کو لا دوا کہنے کو ہیں
پردہ داری چاہیے خوئے فلک کی ورنہ ہم — کشتیٔ غم کا خدا کو ناخدا کہنے کو ہیں
ہرزہ گوئی ختم کر اے فانیٔ آشفتہ سر — اور ابھی کچھ شاعرانِ خوش نوا کہنے کو ہیں

تیرے بغیر باغ میں پھول نہ کھل کے ہنس سکے
کوئی بہار کی سی بات اب کے بہار میں نہیں

عشرتِ بے خلل بھی ہے راحتِ لازوال بھی
اس کی خوشی ہے غم تو پھر کیا غمِ یار میں نہیں

جمع ہیں میری لاش میں زیست کے سارے انقلاب
کون سی وضع اضطراب میرے قرار میں نہیں

○

میرے لب پر کوئی دعا ہی نہیں
اس کرم کی کچھ انتہا ہی نہیں

کشتیٔ اعتبار توڑ کے دیکھ
کہ خدا بھی ہے ناخدا ہی نہیں

میری ہستی گواہ ہے کہ مجھے
تو کسی وقت بھولتا ہی نہیں

اب اسے نا اُمید کیوں کہیے
دل کو توفیقِ مدعا ہی نہیں

غم میں لذت کہاں کہ دل نہ رہا
ہائے وہ حسرت آشنا ہی نہیں

مسکرائے وہ حالِ دل سن کر
اور گویا جواب تھا ہی نہیں

وہی تو ہے وہی تری محفل
ایک فانی مبتلا ہی نہیں

○

ایک وہی مختار ہیں ہم تو کہنے کو مجبور نہیں
اُن کی رضا کے بندوں میں آزادی کا دستور نہیں

کس نے سنایا حال ہمارا آج جو یہ ارشاد ہوا
دردِ محبت والوں کو سنتے ہیں شِفا منظور نہیں

⁛

غم کو ثبات بھی آخر کب تک اور یہ حیات بھی آخر کب تک
ہم بھی جانہ ہونگے غم بھی نہ ہوگا وہ دن بھی کچھ دور نہیں
جن میں تمہارا نور رہا تھا ان میں اندھیرا رہتا ہے
جب سے گئے ہو آنکھوں میں آنسو تو بہت ہیں نور نہیں
یہ تو بڑے آثار ہیں فانی غم ہو خوشی ہو کچھ تو ہو
دل کا یہ کیا حال ہوا مغموم نہیں مسرور نہیں

❁

و

اے بیخودی ٹھہر کہ بہت دن گزر گئے
مجھ کو خیالِ یار کہیں ڈھونڈتا نہ ہو
ساحل پہ جا لگے گی یونہی کشتیٔ حیات
اپنا خدا تو ہے جو نہیں نا خدا نہ ہو
اچھا حجاب ہے کہ جب آتے ہیں خواب میں
پھر پھر کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو
دل ہی نہیں ہے جس میں نہو درد عشق کا
وہ درد ہی نہیں ہے جو ہر دم سوا نہ ہو

گویا نہیں تغافل و تمکیں میں کوئی فرق
اتنی کبھی آدمی کو امیدِ کرم نہ ہو

غم بھی گزشتنی ہے خوشی بھی گزشتنی
کر غم کو اختیار کہ گزرے تو غم نہ ہو

منظور ہر نوشتۂ تقدیر ہے مجھے
لیکن وہ جس میں حرفِ تمنا رقم نہ ہو

ہر لمحۂ حیات ہے بیگانۂ حیات
فانی حیات ہی سے عبارت عدم نہ ہو

اثر پابندِ بیتابی نہیں تو ضبط ہی کیوں ہو
بلا سے حالِ دل کچھ بھی سہی ناگفتنی کیوں ہو

خدا رکھے محبت کو نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
اجل کہتے ہیں جس کو وہ ہماری زندگی کیوں ہو

ستم کا لطف بھی ہے امتیازِ لطف کے دم تک
کرم بھی کیوں نہ ہو بیداد گر بیداد ہی کیوں ہو

کھٹکنا ہے سرِ تقدیر پر ہر خونِ ناحق کا
تری تلوار میرے خون میں ڈوبی ہوئی کیوں ہو

نگاہِ یاس کو رودادِ حسرت کہہ تو لینے دے
ترے دل کو لگے ظالم وہی دل کی لگی کیوں ہو

ہماری بیخودی منجملۂ آدابِ الفت ہے
کسی کو دیکھ کر دل روشناسِ آگہی کیوں ہو

کسی کی یاد بھی لپٹی ہوئی ہے دامنِ دل سے
مری میت پہ فانیؔ نوحہ گر اک بے کسی کیوں ہو

○

امیدِ انعامِ خاص رکھو کرشمۂ لطفِ عام دیکھو
نصیب تو خیر ہے جو کچھ ہے نصیب کا اہتمام دیکھو
وہ ایک رنگینیٔ نظر ہے جو بہاروں میں دیکھتا ہوں
مری محبت کی خامیوں میں ادائے حسنِ تمام دیکھو
جو ہے وہ کیا ہے سوال یہ ہے کہ اب لگا ہوں کا حال یہ ہے
جدھر نگاہیں ذرا اٹھاؤ ادھر تمہارا ہی نام دیکھو
یہ ترکِ بیداد و قدرِ دل کیوں وفا تو اربابِ دل کی خو ہے
جفا سو تقدیر آرزو ہے بتاؤ کبھی اپنا کام دیکھو
خدا ہے اور پھر گھڑی گھڑی کی یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے فانیؔ
دعائیں مانگے ہی جا رہے ہو نہ صبح دیکھو نہ شام دیکھو

○

ہو کے اس کوچہ سے اے بادِ صبا کے جھونکو
آئے جاؤ مجھے دلوا نہ بنائے جاؤ
حشر تک بیکسیٔ مرگ مجھے روئے گی
چار آنسو مری تربت پہ بہائے جاؤ
دلِ فانیؔ کو بہت ہے آدنی کا دعویٰ
کوئی بجلی رخِ روشن سے گرائے جاؤ

٭

○

مآلِ سوزِ غمہائے نہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اٹھی ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ

چلے بھی آؤ وہ ہے قبرِ فانی دیکھتے جاؤ
تم اپنے مرنے والے کی نشانی دیکھتے جاؤ

ابھی کیا ہے کسی دن خوں رلائیگی یہ خاموشی
زبانِ حال کی جادو بیانی دیکھتے جاؤ

غرورِ حسن کا صدقہ کوئی جاتا ہے دنیا سے
کسی کی خاک میں ملتی جوانی دیکھتے جاؤ

اُدھر منہ پھیر کر کیا ذبح کرتے ہو ادھر دیکھو
مری گردن پہ خنجر کی روانی دیکھتے جاؤ

بہارِ زندگی کا لطف دیکھا اور دیکھو گے
کسی کا عیشِ مرگِ ناگہانی دیکھتے جاؤ

سنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

وہ اٹھا شورِ ماتم آخری دیدارِ میت پر
اب اٹھا چاہتی ہے نعشِ فانی دیکھتے جاؤ

(ع)

اے زمینِ لکھنؤ اے آسمانِ لکھنؤ تم سے رخصت ہو رہا ہے میہمانِ لکھنؤ

گرچہ یہ آوارۂ ملک و وطن کچھ بھی نہیں | تھا مگر سنجملۂ دلدادگانِ لکھنؤ
گرچہ اس ناخواندہ مہماں کی نہ تھی خاطر عزیز | بے تکلف تھا یہ خاکِ آستانِ لکھنؤ
الوداع اے سبزہ و فوارہ و حوض و چمن | رخصت اے خوش بہارِ بے خزانِ لکھنؤ
رخصت اے بام و درِ کاخ و ایواں الوداع | الوداع اے لکھنؤ اے مردمانِ لکھنؤ
داغ ہے دل پر تری آزردگیٔ بے سبب | الوداع اے خاطرِ نامہربانِ لکھنؤ
جمع ہیں دونوں جہاں اپنے دلِ رنجور میں | اک جہانِ آرزو ہے اک جہانِ لکھنؤ
شکوہ ان بے مہریوں کا گو نہیں اصلا ہمیں | ہاں مگر اتنا رہے خاطر نشانِ لکھنؤ
بے مروت یوں تو سب ہیں چاہنے والے ترے | کم ہیں فانی کی طرح شیدائیانِ لکھنؤ

(١)

اب آنکھ کھلتی ہے وہ جنبش ہوئی ہلکی سی مژگاں کو
وہ چھیڑا چاہتے ہیں نوکِ نشتر سے رگِ جاں کو
بہار آئی کہ یارب عید آئی اہلِ زنداں کو
گریباں نے گلے لپٹا لیا ہے بڑھ کے داماں کو
مرے تلووں سے کانٹوں پر نئی گلکاریاں ہوں گی
مری وحشت مبارک ہو جنونِ عشق ساماں کو
بیاباں کو یہاں لے آئے تھے کچھ خاک کے ذرے
یہی ذرے اڑا لے جائیں اک دن بیاباں کو
نہ آیا موسمِ گل حسبِ دلِ دیوانہ جیتا تھا
جو اب آئے تو یارب آگ لگ جائے گلستاں کو

چھوٹے جب قیدِ ہستی سے تو آئے کنجِ ہستی میں
رہا ہوتے ہیں یعنی ہم بدل دیتے ہیں زنداں کو
خدا غارت کرے دل کو بڑی مشکل میں ڈالا ہے
نہ سمجھا عمر بھر ناداں فریبِ عشقِ آساں کو
نظر سے جب ملی ان کی نظر دل میں اتر آئی
ہم آنکھوں سے لگا کر دل میں رکھ لیتے ہیں پیکاں کو
دلِ فانی سے گو نکلی مگر آساں نہیں نکلی
عجب شے تھی خدا بخشے امیدِ وصلِ جاناں کو

○

خدا اثر سے بچائے اس آشیانے کو — دعا چلی ہے مری قسمت آزمانے کو
بہار لائی ہے پیغام انقلابِ بہار — سمجھ رہا ہوں میں کلیوں کے مسکرانے کو
نہ پوچھیے کہ محبت میں مجھ پہ کیا گزری — نہ چھیڑیئے مرے بھولے ہوئے فسانے کو
یہ شعبدے یہ کرشمے کسے میسر تھے — تری نگاہ نے سکھلا دیئے زمانے کو
چمن میں برق نے جھانکا کہ ہم لرز اٹھے — اب اس سے آگ ہی لگ جائے آشیانے کو
خیالِ یار کبھی کھویا ہوا سا رہتا ہے — اب ان کی یاد بھی آتی ہے بھول جانے کو
نگاہِ لطف نہ فرما نگاہِ ناز کے بعد — جگر میں آگ لگا کر نہ آ بجھانے کو
زمانہ برسرِ آزاد تھا مگر فانی
تڑپ کے ہم نے بھی تڑپا دیا زمانے کو

※

ہ

تو جانِ مدعائے دل اور دل جگہ جگہ
ہے ایک شمعِ محفلِ رونق جگہ جگہ

حسرت جدا، امید جدا، آرزو جدا
دنیائے دل میں ہیں ترے بسمل جگہ جگہ

مٹ کر بھی داغ شاہدِ خونِ شہید ہے
دھویا ہوا ہے دامنِ قاتل جگہ جگہ

تو نے فراقِ دل ہمیں دیوانہ کر دیا
پھرتے ہیں پوچھتے خبرِ دل جگہ جگہ

غم اصلِ کائنات ہے دل جوہرِ حیات
دل غم سے غم ہے دل سے مقابل جگہ جگہ

غربت میں سنگِ راہ کچھ آسانیاں بھی تھیں
کھاتی ہیں ٹھوکریں مری مشکل جگہ جگہ

کیا پوچھتا ہے وعدہ شکن کیا ہے داغِ دل
ابھرے ہیں نقشِ وعدۂ باطل جگہ جگہ

اک سرگزشتِ درد ہے ہر ذرہ خاک کا
پہنچی ہے داستانِ غمِ دل جگہ جگہ

اب یادگارِ فانیٔ بسمل ہے اس قدر
گلگوں ہے خاکِ کوچۂ قاتل جگہ جگہ

خود ہوش سے پیدا کر ہر لغزشِ مستانہ
ترکِ مے و مینا کر اے جرأتِ رندانہ

دل معنیٔ صورت ہے اور صورتِ معنی بھی
فرزانے کا فرزانہ دیوانے کا دیوانہ

ہر کلمۂ الحق میں اک کیفِ انا بھر دوں
توبہ ہے جو ٹکرا دوں الٹا ہوا پیمانہ

ہے کوئی جو منکر ہو اب شمع کی ہستی کا
گم ہو گئی شعلوں میں خودداریٔ پروانہ

کچھ تذکرۂ جنت کچھ تذکرۂ کوثر
کیا یوں بھی نہیں جاتا ذکرِ مے و میخانہ

ہر موجِ شکن سے اک طوفانِ بہار اٹھا
پھاڑا مری وحشت نے جب دامنِ ویرانہ

حیرت نے مجھے تیرا آئینہ بنایا ہے
اب تو مجھے دیکھا کر اے جلوۂ جانانہ

جو مومن و کافر ہیں وہ دل ہی نہیں رکھتے
دنیائے محبت کعبہ ہے نہ بت خانہ

فانی ہی نہیں فانی میں درسِ فنا بھی ہو
افسانۂ عبرت ہوں اور عبرتِ افسانہ

دلِ فانی کی تباہی کو نہ پوچھ
المِ لامتناہی کو نہ پوچھ

حسنِ تدبیر نہ رسوا ہو جائے
رازِ تقدیرِ الٰہی کو نہ پوچھ

ظلمت افزائے ظہورِ خورشید
روزِ فرقت کی سیاہی کو نہ پوچھ

زندگی جادۂ بے منزل ہے
مسلکِ رہبر و راہی کو نہ پوچھ

غلط انداز نگاہوں کو سنبھال
میری گستاخ نگاہی کو نہ پوچھ

اثرِ برقِ تجلی کو سمجھ
آہ کی شعلہ پناہی کو نہ پوچھ

تلخ ہے لذتِ غم بھی فانیؔ ہمہ گیریٔ نوا ہیٔ ہا کو نہ پوچھ

○

دل کی طرف حجابِ تکلف اٹھا کے دیکھ
آئینہ دیکھ اور ذرا مسکرا کے دیکھ
اس دور میں یہ طرزِ جفا آزما کے دیکھ
دل کی بجائے دل کے سکوں کو مٹا کے دیکھ
تسلیم کی نظر سے کرشمے رضا کے دیکھ
بیگانگیٔ دوست کو دنیا بنا کے دیکھ
اس شورشِ حیات کو حد سے بڑھا کے دیکھ
اک فتنہ اور حشر سے پہلے اٹھا کے دیکھ
یوں دیکھتا ہے نیرنگیٔ آب و گل میں کیا
شعلوں سے کھیل دل کو جلا اور جلا کے دیکھ
ہر زندگی کا نام نہ رکھ دل کی زندگی
ایمان زندگی پہ نہ لا آزما کے دیکھ
تیری تجلیوں سے کسی طرح کم نہیں
دل کی تجلیوں کو کبھی دل میں آ کے دیکھ
اب کی ادائے خاص سے کر امتحانِ دل
جو برق طور پر نہ گری مجھ پہ گرا کے دیکھ

ہاں اہلِ دل کے حال سے غفلت محال ہے
اچھا یقیں نہیں ہے مجھ ہی کو کھلا کے دیکھ
دنیا کو دیکھنا تو میسر نہیں تجھے
ذرّے کو دیکھنا ہے تو دنیا بنا کے دیکھ
فاؔنی سفینہ اب کبھی نہ ڈوبے تو کیا کرے
طوفان کو نہ دیکھ ستم نا خدا کے دیکھ

٭

ی

عشق نے دل میں جگہ کی تو قضا بھی آئی
درد دنیا میں جب آیا تو دوا بھی آئی
دل کی ہستی سے کیا عشق نے آگاہ مجھے
دل جب آیا تو دھڑکنے کی صدا بھی آئی
صدقے اتریں گے اسیرانِ قفس چھوٹے ہیں
بجلیاں لے کے نشیمن پہ گھٹا بھی آئی
ہاں نہ تھا بابِ اثر بند مگر کیا کہیے
آہ پہنچی تھی کہ دشمن کی دعا بھی آئی

آپ سوچا ہی کیے اس سے ملوں یا نہ ملوں
موت مشتاق کو مٹی میں ملا بھی آئی

تو مسیحا نے کبھی اللہ نے کبھی یاد کیا
آج بیمار کو ہچکی کبھی قضا بھی آئی

دیکھ یہ جادۂ ہستی ہے سنبھل کر فانی
پیچھے پیچھے وہ دبے پاؤں قضا بھی آئی

○

فانی کفِ قاتل میں شمشیر نظر آئی — ے خوابِ محبت کی تعبیر نظر آئی
پھر ابر میں وحشت کی تصویر نظر آئی — لہرائی ہوئی بجلی زنجیر نظر آئی
جب میں نے دعاؤں کا رخ سوئے فلک دیکھا — تدبیر کے پہلو میں تقدیر نظر آئی
ہر عشق کی محفل میں پروانے کا ماتم تھا — جو شمع نظر آئی دل گیر نظر آئی
کعبہ میں کلیسا میں ہم نے تو جہاں دیکھا — اے قصرِ فنا تیری تعمیر نظر آئی
جب خون ہوا دل کا وہ آنکھوں میں آ بیٹھے — آہوں کا حجاب اٹھا تاثیر نظر آئی
کایا غمِ دنیا کی وحشت نے پلٹ دی ہے — خاکِ رہِ ویرانہ اکسیر نظر آئی
دنیا کی بلاؤں کو جب جمع کیا میں نے — دھندلی سی مجھے دل کی تصویر نظر آئی
دل ان کے نہ آنے تک لبریزِ شکایت تھا — وہ آئے تو اپنی ہی تقصیر نظر آئی
فانی غمِ ہستی نے زندہ ہی مجھے سمجھا — جب تک مرے مرنے میں تاخیر نظر آئی

○

مشتاق نگاہوں کی اللہ رے رسوائی — میں محوِ تماشا ہوں دنیا ہے تماشائی

تری ہی نگاہوں کے سب دیکھنے والے تھے — تقدیر بگڑ بیٹھی تدبیر نہ کام آئی
بیداد کے اس تیور اس حسن کے میں صدقے — ان کو مرے مرنے پہ آئی تو ہنسی آئی
لب ریز تموج تھا اک خطِ پیمانہ — محفل سے جو وہ اٹھے لیتے ہوئے انگڑائی
پھولوں سے تعلق تو اب بھی ہے مگر اتنا — جب ذکرِ بہار آیا سمجھے کہ بہار آئی

ہر ستم کا یہ تقاضا ہے کہ ہو فریاد بھی
اب تو جینا ہی پڑے گا شاد بھی ناشاد بھی
گلشنِ تصویر میں تھے طائرِ تصویر ہم
کیا کہیں کیوں کر رہے مجبور بھی آزاد بھی
خیر ہے کیا چاہتی ہے اے نسیمِ کوئے یار
اب تو ظالم میری مٹی ہو چکی برباد بھی

گردش وہی یہاں بھی سپہرِ کہن میں تھی
غربت میں بھی وہی ہے جو قسمت وطن میں تھی
آزردہ کیوں ہوئے مری آشفتگی سے تم
آخر یہی تو زلف شکن در شکن میں تھی
اس کے سوا نہیں خبرِ آشیاں مجھے
میں تھا اسیرِ دام تو بجلی چمن میں تھی

بے پردہ ذکرِ یار ہے در پردہ یادِ یار
میری زباں پہ ہے جو دلِ برہمن میں تھی

بعدِ فنا کبھی کم نہ ہوئیں بے قراریاں
لاشہ نہ تھا مرا کوئی بجلی کفن میں تھی

وہ گُل ہے گل جسے تری خلوت میں بار تھا
وہ شمع، شمع ہے جو تری انجمن میں تھی

کیوں سادگی میں طور کچھ اب بانکپن کے ہیں
کل تک تو سادگی کی ادا بانکپن میں تھی

بدلا ہوا تھا رنگ گلوں کا ترے بغیر
کچھ خاک سی اڑی ہوئی سارے چمن میں تھی

اے یاس تو نے آ کے اسے بھی مٹا دیا
لذت سی کچھ جو شکوۂ رنج و محن میں تھی

لو آج مرگِ فانئ بے کس سے مٹ گئی
وہ اک خلش جو خاطرِ اہلِ وطن میں تھی

○

اپنی جنت مجھے دکھلا نہ سکا تو واعظ
کوچۂ یار میں چل دیکھ لے جنت میری

ساری دنیا سے انوکھی ہے زمانے سے جدا
نعمتِ خاص ہے اللہ رے قسمت میری

شکوۂ ہجر پہ سر کاٹ کے فرماتے ہیں
پھر کروگے کبھی اس مونہہ سے شکایت میری
تیری قدرت کا نظارہ ہے مرا عجز گناہ
تیری رحمت کا اشارہ ہے ندامت میری
تو تبسم کبھی شریکِ نگہِ ناز ہوا
آنچ کچھ اور بڑھا دی گئی قسمت میری
فیض اک لمحۂ دیدار سلامت فانی
رنج ہر روز ہے بڑھتی ہوئی دولت میری

سزا تجویز کی تونے جو مرگِ ناگہاں میری
محبت بھی کوئی تقصیر تھی اے آسماں میری
یہ اُن پہ مرنے والوں میں وہ صدقے ہونیوالوں میں
دل و جاں دونوں انکے ہیں نہ دل میرا نہ جاں میری
نہایت بامزہ ہے عشق کے ماروں کا افسانہ
زبانِ حال کو ازبر ہے ساری داستاں میری
شہیدِ ناز ٹھہروں کشتۂ انداز کہلاؤں
کرو تم ذبح مجھ کو ایسی قسمت ہے کہاں میری
جفا پہ صبر کرنا غم سے گھلنا جان دے دینا
وفائیں کیجیے گا رفتہ رفتہ امتحاں میری

دکھا دو جلوۂ عارض اگر تم دیکھنا چاہو
نظر محوِ تماشا اور زباں گرمِ فغاں میری
شبِ غم کٹ گئی فانیؔ سحر وہ ہوتی آتی ہے
قضا اللہ جانے رہ گئی ظالم کہاں میری

○

ڈرو نہ تم کہ نہ سن لے کہیں خدا میری
کہ روشناسِ اجازت نہیں دعا میری
وہ تم کہ تم نے جفا کی تو کچھ بُرا نہ کیا
وہ میں کہ ذکر کے قابل نہیں فغاں میری
چلے بھی آؤ کہ دنیا سے جا رہا ہے کوئی
سنو کہ پھر نہ سنو گے تم التجا میری
کچھ ایسی یاس سے حسرت سے میں نے دم توڑا
جگر کو تھام کے رہ رہ گئی قضا میری
خدا نے زہر کی تاثیر بخش دی فانیؔ
ترس گئی تھی اثر کو بہت دعا میری

○

مجبوریٔ عریاں کو یہ خلعتِ مختاری
اللہ رے کرم ہم اور توفیقِ گنہگاری

فانی مرے مسلک میں ممنوع ہے ہشیاری
احساسِ خطا کاری ہے رازِ خطا کاری

امید کے دم سے ہے اک جی دم تک ہے
اربابِ تمنا پر احسانِ دل آزاری

آسان ہوئی منزل آثار مبارک ہوں
اب پاؤں نہیں اٹھتے اب راہ ہوئی بھاری

وہ ایک اچٹتی سی قاتل کی نظر توبہ
دم توڑ دیا دل نے گو زخم نہ تھا کاری

تم سے مجھے امیدیں کیا عفو کے قابل ہیں
میں ہی تمہیں دیتا ہوں تکلیفِ ستم کاری

سرکارِ محبت سے قربانِ سکوں آیا
گزری حدِ شورش سے جب شورشِ بیداری

فانی مری وحشت نے پھر شکل بدل ڈالی
پھر بخیۂ دامن میں مصروف ہے بیکاری

ہر گھڑی انقلاب میں گزری / زندگی کس عذاب میں گزری
شوق تھا مانعِ تجلی دوست / ان کی شوخی حجاب میں گزری
رازِ ہستی کی جستجو میں رہے / خواب تعبیرِ خواب میں گزری
کرمِ بے حساب چاہا تھا / ستمِ بے حساب میں گزری

کچھ کٹی ہمتِ سوال میں عمر
کچھ امیدِ جواب میں گزری
کس خرابی سے زندگی فانیؔ
اس جہانِ خراب میں گزری

اک برق سرِ طور ہے لہرائی ہوئی سی
دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی
محضر ہے یہی قتلِ شہیدانِ وفا کا
جلاد کی چتون ہے جو شرمائی ہوئی سی
سنتا ہوں جو آتی ہے صدا پردۂ دل سے
امید کی آواز ہے تھرائی ہوئی سی
درپیش ہے پھر مسئلۂ طاقتِ دیدار
پھر کچھ نگہِ شوق ہے گھبرائی ہوئی سی
اک عالمِ دل ہے یہی دنیا یہی فردوس
ہر شے نظر آتی ہے نظر آئی ہوئی سی
میرے دلِ برباد کے دھندلے سے نشاں ہیں
اس باغ میں کلیاں ہیں جو مرجھائی ہوئی سی
ہر سانس ہے فانیؔ مجھے گویا دمِ آخر
سمجھا ہوں کہ محبت میں قضا آئی ہوئی سی

❖

لحد میں چین سے رہنے نہ دے گی یاد اس غم کی
بچھاؤ تم نہ بزمِ ناز میں صف میرے ماتم کی

جو آئے ہو تو ٹھہرو دم نکلتا دیکھتے جاؤ
مری جاں میہمانِ لب ہے اور وہ بھی کوئی دم کی

چمن میں شام آئے شب گزاری صبح چل نکلے
ملی تھی کیا ازل میں زندگانی ہم کو شبنم کی

بناؤں دل کو خوگر ہائے کیوں کر رنجِ بے حد کا
بھلا دوں دل سے کیوں کر یاد تیرے لطفِ پیہم کی

الٰہی خیر سوتا ہے مجھے تلوار کا دھوکا
وہ قاتل کی کمر میں دیکھنا بجلی سی کیا چمکی

دکھایا کل تماشا قابلِ نظارہ عبرت نے
طلوعِ صبح نے جب محفلِ پروانہ برہم کی

دلِ مرحومِ فانی کی جواں مرگی کا ماتم ہے
چلی آتی ہیں امڈی آرزوئیں ایک عالم کی

چھانٹا ازل میں ایک تڑپتا ہوا جگر — کیا بات ہے تری نگہِ انتخاب کی
ہجر و وصال دونوں مرے حق میں قہر ہیں — یہ امتحاں کا رنگ وہ صورت عتاب کی
بس کھل گیا کہ جوشِ جنوں کا ہے سلسلہ — تفسیرِ زلفِ یار ہے تعبیر خواب کی

جس دل پہ کی نظر وہی پہلو میں پھر نہ تھا
شوخی تو دیکھیے نگہِ انتخاب کی

ہم اپنے جی سے گزرے یوں سحر کی
شبِ غم بڑھ چلی تھی مختصر کی

تمہیں کس دل سے اپنی جان کہیے
وفا اس نے تو کی اور عمر بھر کی

انہیں بے چین کرنا چاہتا ہے
قضا آئی ہے کیا دردِ جگر کی

کشش کیسی کہاں کا جذبۂ دل
وہ آئے ہیں بن آئی ہے اثر کی

ہم اکثر جا کے ویرانے سے پلٹے
ہمارے گھر سے ویرانی نہ سر کی

مرا قتل ان کے ہاتھوں یہ تو باتیں
کچھ ان کے منہ کی ہیں کچھ نامہ بر کی

تمہارے عشق کا اللہ رے فیض
جگر میں دھوم ہے دردِ جگر کی

نگاہِ شوق کے دم تک تھیں آنکھیں
اب آنکھیں یادگاریں ہیں نظر کی

اٹھا ہاتھ اے تصور فاتحہ کو
یہ دل کی ہے وہ تربت ہے جگر کی

شبِ فرقت کٹی یا عمرِ فانی
اجل کے ساتھ آمد ہے سحر کی

دیا اک جان کے دشمن کو دل جان نذرِ دلبر کی
یہ ہے اپنی کہانی قصہ کوتاہ زندگی بھر کی

الٰہی کیا خبر لاتا ہے قاصد وصلِ دلبر کی
بلائیں لے رہی ہیں میری تدبیریں مقدر کی

قضا آئی طبیب آیا وہ آئے دیکھیے کون آیا
کسی نے اے جنوں زنجیر یہ کھڑکائی مرے در کی

وہ شامِ وصلِ دشمن زلف سلجھاتے ہیں رک رک کر
انہیں یاد آ گئیں کیا گتھیاں میرے مقدر کی
اجل کی آرزو ہو دل میں فانیؔ اور دنیا ہو
خدا رکھے یہی رونق ہے اس اجڑے ہوئے گھر کی

○

کم ہے یا بڑھ گئی وحشت ترے دیوانوں کی
دامنوں کی ہے خبر اب نہ گریبانوں کی
فصلِ گل خیر تو ہے دشت میں دیوانوں کی
دامنوں کی خبر آئی نہ گریبانوں کی
دل کے تیور تو یہی پاس کے چھینٹوں سے مگر
نہ کبھی آگ لگائی ہوئی ارمانوں کی
حسن مجبورِ تغافل ہے ادب شرطِ وفا
رہ گئی شرم غمِ عشق کے افسانوں کی
چشمِ ساقی کی وہ مخمور نگاہی توبہ
آنکھ پڑتی ہے چھلکتے ہوئے پیمانوں کی
طوقِ منت کے بڑھا ہو گئی منت پوری
بیڑیاں موت نے کاٹیں ترے دیوانوں کی
اب جفا ہے نہ وفا یادِ وفا باقی ہے
دعوتیں سینۂ فانیؔ میں ہیں پیکانوں کی

مجھے قسم ہے ترے صبر آزمانے کی — کہ دل کو اب نہیں برداشت غم اٹھانے کی
ترا اسیر ہوں چاہے تو ذبح کر صیاد — نہ توڑ دل کہ امانت ہے آشیانے کی
خیالِ یار ہے اک حسن و عشق کی دنیا — مری نگاہ میں ہیں گردشیں زمانے کی
زبانِ حال ٹھہر داستانِ عشق نہ چھیڑ — کہ خوابِ مرگ ہے تاثیر اس فسانے کی
گلہ ضرور نہیں حالِ بے خودی معلوم — تمہاری یاد کو عادت ہے بھول جانے کی
نہ دل کے ظرف کو نہ طور کو دیکھو — بلا کی دھن ہے تمہیں بجلیاں گرانے کی
نہ سانس کا ہے بھروسہ نہ آہ میں تاثیر — وہ کیا پھرے کہ ہوا پھر گئی زمانے کی
نہ بن پڑا کوئی عذرِ جفا کسی سے تو ہائے — ادا وہ یاد ہے گھبرا کے روٹھ جانے کی
جبینِ درد ہے بیتابِ سجدہ اے فانی — کدھر ہے خاک ترے دل کے آستانے کی

ادائیں آ گئیں کوئے بتاں کی — زمیں تنگ ہے رسائی آسماں کی
زباں کٹتی ہے ذکرِ آشیاں پر — تمنا بھی بہت تھی آشیاں کی
امیدِ مہر ہے ایمان اپنا — قسم ہے اس دلِ نامہرباں کی
یہ دل ہے یادگارِ ناوکِ ناز — نشانی ہے یہ زخمِ بے نشاں کی
نویدِ لطف ہے ہر جور لیکن — کہاں سے لاؤں طاقت امتحاں کی
مری تربت کے سناٹے میں اب تک — صدائیں گونجتی ہیں الاماں کی

حرم میں آ ہی نکلے ہیں تو فانی
یہ کیا کہیے کہ نیت تھی کہاں کی

قسم نہ کھاؤ تغافل سے باز آنے کی — کہ دل میں اب نہیں طاقت ستائے جانے کی
ہماری موت نے کچھ مختصر کیا ورنہ — کچھ انتہا ہی نہ تھی عشق کے فسانے کی
گری نہ برق کچھ اس خوف سے مرے ہوتے — تڑپ کے آگ بجھا دوں نہ آشیانے کی
تمہارا درد تو درماں بنا لیا ہم نے — اب اور سوچیے تدبیر دل دکھانے کی
زمانہ کفرِ محبت سے کر چکا تھا گریز — تری نظر نے پلٹ دی ہوا زمانے کی
پلٹ پلٹ کے قفس ہی سمت جاتا ہوں — کسی نے راہ بتائی نہ آشیانے کی
نجات دی غمِ دنیا سے دردِ دل نے مجھے — یہ ایک راہ ملی غم سے چھوٹ جانے کی
وہ صبحِ عید کا منظر ترے تصور میں — وہ دل میں آ کے ادا ترے مسکرانے کی
بتا رہا ہے ہر اک انداز خاکِ فانی کا — یہ خاک ہے اسی کافر کے آستانے کی

دیر میں یا حرم میں گزرے گی — عمر تیرے ہی غم میں گزرے گی
کچھ امیدِ کرم میں گزری عمر — کچھ امیدِ کرم میں گزرے گی
زندگی یادِ دوست ہے یعنی — زندگی ہے تو غم میں گزرے گی
اب کرم کا یہ حصل ہے کہ عمر — یادِ عہدِ ستم میں گزرے گی
دل کو یادِ نشاطِ وصل نہ چھیڑ — غم میں گزری ہے غم میں گزرے گی
حسرتِ دم بدم میں گزری عمر — عبرتِ دم بدم میں گزرے گی

حشر کہتے ہیں جس کو اے فانی
وہ گھڑی شرحِ غم میں گزرے گی

بے ذوقِ نظر بزم تماشا نہ رہے گی
منہ پھیر لیا ہم نے تو دنیا نہ رہے گی

ایذا نہ رہے گی جو گوارا نہ رہے گی
چھیڑا مجھے دنیا نے تو دنیا نہ رہے گی

دل لے کے یہ کیا ضد ہے کہ اب جان بھی کیوں ہو
یہ بھی نہ رہے گی بہت اچھا نہ رہے گی

یہ دردِ محبت غم دنیا تو نہیں ہے
اب موت بھی جینے کا سہارا نہ رہے گی

ایسا بھی کوئی دن مری قسمت میں ہے فانی
جب دن مجھے جینے کی تمنا نہ رہے گی

اٹھ چلے ہم تو ان کی محفل تک
پھر ہماری خبر ہی جائے گی

اب یہی اپنی زندگی ہے تو خیر
زندگی بھی گزر ہی جائے گی

آہ پھر آہ ہے رسا نہ سہی
کچھ تو دل میں اتر ہی جائے گی

جب دل میں ترے غم نے حسرت کی بنا ڈالی
دنیا مری راحت کی قسمت نے مٹا ڈالی

اب برق نشیمن کو ہر شاخ سے کیا مطلب
جب شاخ کو تاکا تھا وہ شاخ جلا ڈالی

اظہارِ محبت کی حسرت کو خدا سمجھے
ہم نے یہ کہانی بھی سو بار سنا ڈالی

جینے بھی نہیں دیتے مرنے بھی نہیں دیتے
کیا تم نے محبت کی ہر رسم اٹھا ڈالی

جینے میں نہ اب فانی مرنے میں شمار اپنا
ماتم کی بساط اس نے کیا کہہ کے اٹھا ڈالی

ہر بلائے شامِ فرقت دیکھ لی
ہم نے دنیا میں قیامت دیکھ لی

پھر نہ اس دل کو ہوئی راحت نصیب
تو نے جس دل میں محبت دیکھ لی

ذوقِ نظارہ سلامت چاہیے
جس طرف دیکھا وہ صورت دیکھ لی

واہ ری رنگینیٔ بزمِ خیال
دل کے ہر گوشے میں جنت دیکھ لی

آپ نے انجام دیکھا عشق کا
آپ نے فانی کی تربت دیکھ لی

یہ ہستیٔ دو روزہ گویا کہ نہیں فانی
اللہ رے ترا اے دل اندازِ پریشانی

تعبیر اجل نے دی اس خوابِ پریشاں کی
ہم مر کے تجھے سمجھے اے ہستیٔ انسانی

کیوں کر میں کہوں تم نے آئینہ نہیں دیکھا
بے وجہ نہیں ہرگز آئینے کی حیرانی

سن میری خوشی سے افسانۂ غم میرا
در دیدہ نگاہی سے کر پرسشِ پنہانی

کیا ہم شبِ وصل ان سے فرقت کا گلہ کرتے
تھی رات بہت تھوڑی اور بات تھی طولانی

ہاں میرے قدم سے ہے ویرانے کی آبادی
واں گھر میں خدا رکھے آباد ہے ویرانی

پھر خواب میں طوق آیا زنجیر نظر آئی
در پردہ ہے وحشت کی پھر سلسلہ جنبانی

مانا کہ غمِ جاناں غارت گرِ ساماں ہے
رکھا ہی یہاں کیا ہے جز بے سر و سامانی

مشکل مرے مرنے کی مشکل ہے کہ آساں ہو
کچھ ناز کئی قاتل کچھ اپنی گراں جانی

فانی وہ بلاکش ہوں غم بھی مجھے راحت ہے
میں نے غمِ راحت کی صورت بھی نہ پہچانی

آپ کی آرزو کیسے ہی بنی! | دل کو آخر لہو کیسے ہی بنی
فاش ہوتا نہ رازِ غم کب تک | دل سے کچھ گفتگو کیسے ہی بنی

ہم بھی جینے کی تاب لا نہ سکے — موت کی آرزو کیے ہی بنی
سجدۂ شکرِ درد واجب تھا! — خونِ دل سے وضو کیے ہی بنی
حسن بے تابِ خود نمائی تھا — دل ہمیں روبرو کیے ہی بنی
چاکِ دامن کے مشغلے کے لیے — چاکِ دامن رفو کیے ہی بنی
کھو گئے ہم کچھ اس طرح فانی — کہ انھیں جستجو کیے ہی بنی

○

مانا حجابِ دید مری بے خودی ہوئی
تم وجہِ بے خودی نہیں یہ ایک ہی ہوئی
دل ہے وہ طاقِ غمکدۂ عمرِ دوش کا
رکھی ہے جس پہ شمعِ تمنا بجھی ہوئی
میں منزلِ فنا کا نشانِ شکستہ ہوں
تصویرِ گرد و بادِ فنا ہوں بنی ہوئی
تعمیرِ دل نے تجھ سے لیا انتقامِ عشق
تیری ہی بزمِ جلوہ گہِ عاشقی ہوئی
آتی رہے گی خیر اب اس زندگی کی موت
یہ تو ہوا کہ موت مری زندگی ہوئی
مرحوم کس ادا کے تماشائیوں میں تھا
پھرتی ہے دل کی لاش تماشا بنی ہوئی
دنیائے دل میں یاس کی اللہ رے دار و گیر
جو آرزو کہ خلق ہوئی کشتنی ہوئی

کیجے دعا کہ اُف نہ کرے دردمندِ عشق
اوّل تو دل کی چوٹ پھر اتنی دُکھی ہوئی

میرا وجود کفر مری زندگی گناہ
ہستی کو ہوش، ہوش کو لازم خودی ہوئی

یارب نوائے دل سے تو کان آشنا سے ہیں
آواز آ رہی ہے یہ کب کی سُنی ہوئی!

لازم ہے احتیاطِ ندامت نہیں ضرور
لے اب چھُری تو پھینک لہو سے بھری ہوئی

فانی میں ہوں وہ نقطۂ موہومِ اتصال
جس میں عدم کی دونوں حدیں ہیں ملی ہوئی

شبابِ ہوش کی فی الجملہ یادگار ہوئی
جو عمر صرفِ تماشائے حُسنِ یار ہوئی

حجابِ حسرتِ جرمِ نظارہ دل سے پوچھ
نظر تو ایک جھلک کی گناہ گار ہوئی

بساطِ عجز میں اک آہ تھی متاعِ حیات
سو وہ بھی صرفِ ستم ہائے روزگار ہوئی

بقدرِ ہستیٔ دل ہے خمارِ غم بدنام
خزاں خراب بہ اندازۂ بہار ہوئی

نہیں کہ آہ میں تاثیر ہی نہیں لیکن
یہ دل خگار کبھی آسماں نگار ہوئی
کرم ہے رازِ امیدِ کرم کی ہستی کا
امید تیرے کرم کی امیدوار ہوئی
بلا سے ہجر میں جینے کی انتہا تو ہے
وہ ایک بار ہوئی یا ہزار بار ہوئی
ازل میں خلق ہوئی تھی جو بجلیوں کی روح
تری نگاہ مری جانِ بے قرار ہوئی
مرے وجود کی حجت مرے عدم کی دلیل
وہ اک نظر تھی جو شاید جگر کے پار ہوئی
بہار نذرِ تغافل ہوئی خزاں ٹھہری
خزاں شہیدِ تبسم ہوئی بہار ہوئی
امیدِ مرگ پہ فانیؔ نثار کیا کہیے
وہ زندگی کہ ہوئی بھی تو مستعار ہوئی

○

حاصلِ بے خبری لازمۂ ہوش ہوئی
یاد تیری کسی عنواں نہ فراموش ہوئی
وہ گھڑی بھی شبِ بے صبح تجھے یاد ہے جب
میں بھی خاموش ہوا شمع بھی خاموش ہوئی

اللہ اللہ وہ رحمت ہے خطا کاروں پر
جو خطا ہونے سے پہلے ہی خطا پوش ہوئی

مجھ پہ الزام پرستاریٔ صورت کیا خوب
خود تری یاد ہی صورت گرِ آغوش ہوئی

سامنے آئیں جو ہوں دعوئ تقویٰ والے
چشمِ ساقی کی ادا میکدہ بردوش ہوئی

وہم ہستی کا بھی احساس نہیں تیرے بغیر
زندگی ہجر میں اک خوابِ فراموش ہوئی

خاکِ دل ہے عجب اضداد کی دنیا فانیؔ
منزلِ عشق ہوئی جلوہ گہِ ہوش ہوئی

آہ اب تک تو بے اثر نہ ہوئی | کچھ تمھیں کو مری خبر نہ ہوئی
شام سے فکرِ صبح کیا شبِ ہجر | مر رہیں گے اگر سحر نہ ہوئی
کس سے دل کا سراغ پائیں گے ہم | تو ہی اے آرزو اگر نہ ہوئی
خلق سمجھی مجھی کو دیوانہ | چارہ فرمائے چارہ گر نہ ہوئی
کچھ نظر کہہ گئی زباں نہ کھلی | بات اُن سے ہوئی مگر نہ ہوئی
شکوہ کیا اُن سے خونِ ناحق کا | زندگی تھی ہوئی بسر نہ ہوئی

حشر کا دن بھی ڈھل گیا فانیؔ
دل کی روداد مختصر نہ ہوئی

مضمحل سعئ چارہ گر نہ ہوئی — اور شفا قصہ مختصر نہ ہوئی
ترکِ تدبیر کو بھی دیکھ لیا — یہ بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی
یوں ملی ہر نگاہ سے وہ نگاہ — ایک کی ایک کو خبر نہ ہوئی
اللہ اللہ یہ حسنِ پرسشِ حال — کہ مرے حال پر نظر نہ ہوئی
ہجر کے بھی ہزار پہلو تھے — یوں کبھی اک وضع پہ بسر نہ ہوئی
صبح ہوتی نہیں ہماری شام — ورنہ کس شام کی سحر نہ ہوئی
آج تسکینِ دردِ دل فانی — وہ بھی چاہا کئے مگر نہ ہوئی

اس کشمکشِ ہستی میں کوئی راحت نہ ملی جو غم نہ ہوئی
تدبیر کا حاصل کیا کہیے تقدیر کی گردش کم نہ ہوئی
اللہ رے سکونِ قلب اُس کا دل جس نے لاکھوں توڑ دیئے
جس زلف نے دنیا برہم کی وہ آپ کبھی برہم نہ ہوئی
غم راز ہے اُن کی تجلی کا جو عالم بن کر عام ہوا
دل نام ہے اُن کی تجلی کا جو راز رہی عالم نہ ہوئی
دل کی یہ ویرانی ہی عجب ہے وہ بھی آخر کیا کرتے
جب دل میں اُن کے رہتے بستے یہ ویرانی کم نہ ہوئی
انسان کی ساری ہستی کا مقصود ہے فانی ایک نظر
یعنی وہ نظر جو دل میں اُتر کر زخم بنی مرہم نہ ہوئی

تاکید ہے کہ دیدۂ دل وا کرے کوئی
مطلب یہ ہے کہ دور سے دیکھا کرے کوئی

آتے ہی تیرے وعدۂ فردا کا اعتبار
گھبرا کے مر نہ جائے تو پھر کیا کرے کوئی

وہ جلوہ بے حجاب سہی ضد کا کیا علاج
جب دل میں رہ کے آنکھ سے دیکھا کرے کوئی

کہتے ہیں حسن ہی کی امانت ہے دردِ عشق
اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی

خالی ہے بزمِ ذوقِ طلب اہلِ ہوش سے
اتنا نہیں کہ تیری تمنا کرے کوئی

وہ درد دے کہ موت بھی جسکی دوا نہ ہو
اُس دل کو موت دے جسے اچھا کرے کوئی

فانیؔ دعائے مرگ کی تکرار کیا ضرور
غافل نہیں کہ ان سے تقاضا کرے کوئی

ہر چند کہ ہے لیکن ملتا ہے نشاں کوئی
پہلو میں تجھے ڈھونڈے اے درد کہاں کوئی

یا کہتے تھے کچھ کہتے جب اس نے کہا کہیئے
تو چپ ہیں کہ کیا کہیئے کھلتی ہے زباں کوئی
برگشتہ مقدر کی تاثیر ارے توبہ
دل ہی پہ پلٹ آئی کی آہ جہاں کوئی

○

بعدِ فانی نہ رہا مصرفِ زنداں کوئی
دستِ وحشت میں ہے دامن نہ گریباں کوئی
یہ تو معلوم نہیں کیا ہے یہ دنیا لیکن
حرفِ صد رقص ہے صورت کدۂ جاں کوئی
میری ویرانئ دل ہے کہیں رسوا کہیں راز
کوئی ذرّہ ہے یہاں اور نہ بیاباں کوئی
کون ہے میرے سوا فیضِ چمن سے محروم
گل بداماں ہے کوئی خار بداماں کوئی
ہائے اس بزم میں وہ شوق و تحیّر کا ہجوم
دلِ بیتاب کوئی دیدۂ حیراں کوئی
تو بھی کردے غلطی ہائے محبّت کو معاف
آ کہ امیدِ وفا پر ہے پشیماں کوئی
برق نے میرے قفس کو بھی نشیمن سمجھا
آہ ایسا بھی نہ ہو سوختہ ساماں کوئی

نہ ملی خلق سے مظلومیٔ دل کی کوئی داد
میری قسمت میں نہ تھا جبرِ نمایاں کوئی
مجھ سے مطلب نہ سہی کاش میسر ہو تجھے
حسنِ تغییر بھی اے گردشِ دوراں کوئی
عمر سب نزع کے عالم ہی میں گزری فانیؔ
زندگی کا نہ ہوا موت پہ احساں کوئی

○

ظلم اور بھی اے فلک رہا ہے کوئی
پھر ظلم کی راہ تک رہا ہے کوئی
معلوم نہیں کیا ہے محبت لیکن
کانٹا دل میں کھٹک رہا ہے کوئی
اُس وعدہ فراموش سے یہ کون کہے؟
کب سے تری راہ تک رہا ہے کوئی
کیا حوصلہ آزما ہے طوفانِ حیات
بڑھتا ہے کوئی جھجک رہا ہے کوئی
کتنی تری جستجو کی لذت ہے عزیز
رستہ پا کر بھٹک رہا ہے کوئی
ٹھہرا ہے یہ اب ذکرِ وفا کا مفہوم
کچھ جوشِ جنوں میں بک رہا ہے کوئی
میخانۂ عالم میں ہے ہل چل فانیؔ
پیمانہ مگر چھلک رہا ہے کوئی

○

مر کر مریضِ غم کی وہ حالت نہیں رہی
یعنی وہ اضطراب کی صورت نہیں رہی
ہر لمحۂ حیات رہا وقفِ کارِ شوق
مرنے کی عمر بھر مجھے فرصت نہیں رہی
اک نالۂ خموش مسلسل ہے اور ہم
یادش بخیر ضبط کی طاقت نہیں رہی
یوں مٹ گئی وفا کہ زمانے کا ذکر کیا
اب دوست سے بھی کوئی شکایت نہیں رہی

وہ عہدِ دل فریبیِ تاثیر اب کہاں
مدت سے آہ آہ کی حسرت نہیں رہی

اُن کے تو دل سے نقشِ کدورت بھی مٹ گیا
ہم شاد ہیں کہ دل میں کدورت نہیں رہی

دل اور ہوائے سلسلۂ جنبانیٔ نشاط
کیوں پاسِ وضعِ غم تجھے غیرت نہیں رہی

اے دردِ عشق اب تو خدا کے لیے نہ چھیڑ
دل میں کراہنے کی بھی طاقت نہیں رہی

ہر بے گنہ سے وعدۂ بخشش ہے روزِ حشر
گویا گناہ کی بھی ضرورت نہیں رہی

اے عرضِ شوق مژدہ کہ دل چاک ہو گیا
تکلیفِ پردہ داریٔ حسرت نہیں رہی

پھرا گئی تھی آنکھ مگر بند تو نہ تھی
اب یہ بھی انتظار کی صورت نہیں رہی

عبرت نے بے کسی کا نشاں بھی مٹا دیا
اڑتی تھی جس پہ خاک وہ تربت نہیں رہی

محشر میں بھی وہ عہدِ وفا سے مکر گئے
جس کی خوشی تھی اب وہ قیامت نہیں رہی

کس منہ سے غم کے ضبط کا دعویٰ کرے کوئی
طاقت بقدرِ حسرتِ راحت نہیں رہی

فانی امیدِ مرگ نے بھی دے دیا جواب
جینے کی ہجر میں کوئی صورت نہیں رہی

وہ نظر کامیاب ہو کے رہی
دل کی بستی خراب ہو کے رہی

عشق کا نام کیوں کریں بدنام
زندگی تھی عذاب ہو کے رہی

نگہِ شوق کا مآل نہ پوچھ
سر بسر اضطراب ہو کے رہی

تم نے دیکھا کہ مرگِ مظلومی
جانِ صد انقلاب ہو کے رہی

چشمِ ساقی کہ تھی کبھی مخمور
خود ہی آخر شراب ہو کے رہی

تابِ نظارہ لا سکا نہ کوئی
بے حجابی حجاب ہو کے رہی

حشر کے دن کسی کی ہر بیداد
کرمِ بے حساب ہو کے رہی

سامنے دل کا آئینہ رکھ کر — ہر ادا لاجواب ہو کے رہی
ہم سے فانی نہ چھپ سکا غم دوست — آرزو بے نقاب ہو کے رہی

○

تھم تھم کے آرہی ہیں دم نزع ہچکیاں
رہ رہ کے ٹوٹتی ہیں امیدیں رہی سہی
دشوار تو نہیں غم ہستی کا خاتمہ
اُن کی خوشی نہیں ہے تو اُن کی خوشی سہی
بے امتیازِ جور رہی ہم نے اُٹھا دیا
تو بے وفا نہیں ہے تو اچھا یہی سہی

○

دل کی لگی نہیں تو خیر اب کوئی دل لگی سہی
فتنۂ شام غم کے بعد فتنۂ حشر ہی سہی
سازِ خیالِ یار سے چھڑ چلی ہی کیوں نہ جائے
نغمۂ آرزو سُنا نوحۂ یاس ہی سہی
شیوۂ عاشقی نہیں ہجر میں آرزوئے مرگ
ہاں زندگی نہیں عزیز موت زندگی سہی

عرصۂ حشر دور ہے خاکِ دلِ حزیں سہی
مشقِ خرامِ ناز کر داں نہ سہی یہیں سہی

سر نہیں سنگِ در تو ہے ترک نہ کر نمازِ عشق
خاک جبیں سے کام لے سجدہ بے جبیں سہی

ہے ترے تیرِ ناز کے رخ پہ نشانہ منحصر
دل ہو جگر ہو کوئی ہو تیرِ نظر کہیں سہی

اے دمِ واپسیں ٹھہر دردِ فراق المدد
ایک ہی آج اشکِ غم حاصلِ آستیں سہی

میں ہوں رہینِ انتظار آئیے یا نہ آئیے
اپنے یقیں کو کیا کروں آپ کی ہاں نہیں سہی

سن تو لیا ہے حالِ دل دیکھیے سن کے کیا کہیں
پھر مرے منہ کی بات ہے کیسی ہی دلنشیں سہی

فانیٔ زار پر کرم تیری رضا کے ہے سپرد
ایک نگاہ اور اگر یہ بھی نہیں نہیں سہی

مانا کہ بات وعدۂ فردا پہ ٹل گئی
اور بے وفا جو کل بھی نہ "یہ" آج کل گئی

اس خانۂ خراب کی بربادیاں نہ پوچھ
یادش بخیر آہ کبھی دل سے نکل گئی

تم کیوں گئے تھے آئینہ خانہ میں بے حجاب
اچھا ہوا کہ شرم و شرارت میں چل گئی

کچھ کہہ کے چارہ ساز نے تسکین دی تو ہے
سنتا ہوں کہ اب مری حالت سنبھل گئی

آتی ہے خاکِ جادۂ ہستی سے بوئے دل
کس آرزو بھرے کی تمنا نکل گئی

دل کیوں شبِ فراق تڑپ کر ٹھہر گیا
کیوں اضطراب کیا تری صورت بدل گئی

اِن گردشوں کو روک کہ دل خون ہو گیا
اے آسماں ٹھہر مری حسرت مچل گئی

تعمیرِ آشیاں کی ہوس کا ہے نام برق
جب ہم نے کوئی شاخ چنی شاخ جل گئی

اللہ رے نوکِ نشترِ غم کی لگا وٹیں
اک اک لہو کی بوند پہ ظالم مچل گئی

فانیؔ کے دل سے آیۂ لَا تَقْنَطُوا کے بعد
زاہد وہ دل فریبیٔ حسنِ عمل گئی

٭

موت بھی فرقت میں ٹل کر رہ گئی
آخری صورت نکل کر رہ گئی

اہلِ دنیا حشر جس کو کہہ اُٹھے
وہ نظر کیا چال چل کر رہ گئی

جل رہے ہیں آج تک دل کے چراغ
طور پر اک شمع جل کر رہ گئی

زندگی کی دوسری کروٹ تھی موت
زندگی کروٹ بدل کر رہ گئی

لب رہے ناآشنائے دردِ دل
آہ بھی دل سے نکل کر رہ گئی

چن لیا تیری محبت نے مجھے
اور دنیا ہاتھ مل کر رہ گئی

اب کہاں فانیؔ وہ جوشِ اضطراب
کیا طبیعت تھی سنبھل کر رہ گئی

مہر کی جو نگاہ تھی خنجرِ بے پناہ تھی
دردِ جگر کی ہر دوا دردِ مآل ہو گئی

موت فراقِ یار میں درپئے انقلاب ہے
نیند جو کل حرام تھی آج حلال ہو گئی

فرصتِ یک نظر کے بعد حوصلۂ دعائے وصل
کیوں دلِ قدر ناشناس اب یہ مجال ہو گئی

میری وفا جفا فروش گریہ تبسم آفریں
عشق کی ساری کائنات صرفِ جمال ہو گئی

حسن کی وہ لطافتیں عشق کی وہ نزاکتیں
ہائے وہ زندگی جوابِ خوابِ خیال ہو گئی

اجل جو آئے تو اپنا بھی کام ہو جائے
تمام عمر کا قصہ تمام ہو جائے

نگاہِ ناز کا صدقہ نیاز مند ہیں ہم
کبھی قبول ہمارا سلام ہو جائے

نہیں ضرور کہ مر جائیں جاں نثار ترے
یہی ہے موت کہ جینا حرام ہو جائے

تری جدائی میں ہوتی ہے ہر سحر کی شام
الٰہی اپنی سحر کی بھی شام ہو جائے

○

رہ جائے یا بلا سے یہ جان رہ نہ جائے
تیرا تو اے ستمگر ارمان رہ نہ جائے
جو دل کی حسرتیں ہیں سب دل میں ہوں تو بہتر
اس گھر سے کوئی باہر مہمان رہ نہ جائے
اے سوزِ غم جلا دے اے دردِ خوں رلا دے
کچھ ان کی دل لگی کا سامان رہ نہ جائے
سب منزلیں ہوئیں طے محشر ہے اور اے دل
یہ ایک رہ گیا ہے میدان رہ نہ جائے
وہ جامِ کفر پر در بھر دے کہ مست کر دے
مستوں کے دل میں ساقی ایمان رہ نہ جائے
آ کر پلٹ نہ خالی اے مرگ جان لے جا
فانیؔ کے سر پہ تیرا احسان رہ نہ جائے

○

کیوں نہ نیرنگِ جنوں پہ کوئی قربان ہو جائے
گھر وہ صحرا کہ بہار آئے تو زنداں ہو جائے
برق دم لینے کو ٹھہرے تو رگِ جاں ہو جائے
فتنۂ حشر مجسم ہو تو انساں ہو جائے

جوہرِ آئینۂ دل ہے وہ تصویر ہے تو
دل وہ آئینہ کہ تو دیکھ کے حیراں ہو جائے
غم وہ راحت جسے قسمت کے دھنی پاتے ہیں
دم وہ مشکل ہے کہ موت آئے تو آساں ہو جائے
عشق وہ کفر کہ ایمان ہے دل والوں کا
عقلِ مجبور وہ کافر کہ مسلماں ہو جائے
ذرہ وہ رازِ بیاباں ہے جو افشا نہ ہوا
دشتِ وحشت ہے وہ ذرہ جو بیاباں ہو جائے
غمِ محسوس وہ باطل جسے کہتے ہیں مجاز
دل کی ہستی وہ حقیقت ہے جو عریاں ہو جائے
خُلد میخانے کو کہتے ہیں بقولِ واعظ
کعبہ بُتخانے کو کہتے ہیں جو ویراں ہو جائے
سجدہ کہتے ہیں درِ یار پہ مر جانے کو
قبلہ وہ سر ہے جو خاکِ رہِ جاناں ہو جائے
موت وہ دن بھی دکھائے مجھے جس دن فانی
زندگی اپنی جفاؤں پہ پشیماں ہو جائے

○

جس سمت نگاہِ یک نظر ہو جائے ۔۔۔ تو آئے نظر جدھر نظر جائے
اچھا ہے جو نالہ بے اثر ہو جائے ۔۔۔ کیوں میری بلا کسی کے سر جائے

ہاں ناخنِ غم کمی نہ کرنا — ڈرتا ہوں زخمِ دل نہ بھر جائے
جیتے بھی ہیں تم پہ مرنے والے — غم زہر نہیں جو کام کر جائے
کر خوئے جفا نہ یک بیک ترک — کیا جانیے مجھ پہ کیا گزر جائے
اُٹھ جائے جدھر نگاہِ ساقی — نشتر رگِ ہوش میں اُتر جائے
فانی تو اور سکوں کی اُمید — دل اور ترے جیتے جی ٹھہر جائے

ہوش رہے نہ دوش کا فکرِ محال رہ نہ جائے
خلوتِ یادِ یار میں کوئی خیال رہ نہ جائے
عشق ہے جنوں تو پھر شاد ہوائے دلِ حزیں
کوئی گلہ اُٹھا نہ رکھ کوئی سوال رہ نہ جائے
وعدہ فریب ہے تو اور تند ہوائے ہوائے شوق
ہاں رہِ انتظار میں گردِ ملال رہ نہ جائے
تابِ نظارۂ جلال حشر میں بخش کر مجھے
شانِ جمال بھی دکھا شانِ جمال رہ نہ جائے
عجز اِدھر اُدھر غرور دونوں غیور ہے غیور
دامنِ مدعا سے دور دستِ سوال رہ نہ جائے
اب جو ہوا ہوا اسکل چھوڑ خدا پہ اندمال
زخمِ جگر پہ خاک ڈال تیر سنبھال رہ نہ جائے۔
جبرِ قبولِ عام کر کارِ فغاں تمام کر
غیرتِ غم کو رام کر اُف کی مجال رہ نہ جائے

نزع میں دادِ آہ دے اب نہ حیا کو راہ دے
عہدِ کرم نباہ دے پرسشِ حال رہ نہ جائے

فانیٔ زار جاں بری عشق میں مصلحت نہیں
جانِ وداعِ دل کے بعد ہو کے وبال رہ نہ جائے

اے کاش شہادت کے ارمان نکل جاتے
قاتل کی نگاہوں کے تیور ہی بدل جاتے

آتے وہ تو فرقت کے دکھ کیا ہیں اجل کیسی
آئی ہوئی ٹل جاتی آئے ہوئے ٹل جاتے

سراب مجھے کھاری ہے صدقہ ترے خنجر کا
یہ بار اُتر جاتا جو دار کھلے چل جاتے

راز کھتے میرے زخم ہائے جگر　　تو ذرا تم نے سی دئیے ہوتے
ضبط کا حوصلہ نکل جاتا　　کچھ ستم اور بھی کیے ہوتے
زندگی بے دلوں پہ تہمت تھی　　مر نہ جاتے اگر جیے ہوتے
کچھ سمجھ کر قفس میں اے صیاد　　چار تنکے ہی رکھ دیے ہوتے
گل دئے تھے تو کاش فصلِ بہار　　تو نے کانٹے بھی چن لیے ہوتے
تھے پھر اُن کے دیے ہوئے فانی
اور صدمے اُٹھا لیے ہوتے

تہِ خنجر بھی جو بسمل نہیں ہونے پاتے
مر کے شرمندۂ قاتل نہیں ہونے پاتے

حرم و دیر کی گلیوں میں پڑے پھرتے ہیں
بزمِ رنداں میں جو شامل نہیں ہونے پاتے

موج نے ڈوبنے والوں کو بہت کچھ پلٹا
رُخ مگر جانبِ ساحل نہیں ہونے پاتے

دل تو سب کو تری سرکار سے مل جاتے ہیں
درد جب تک نہ ملے دل نہیں ہونے پاتے

تو کہاں ہے کہ تری راہ میں یہ کعبہ و دیر
نقش بن جاتے ہیں منزل نہیں ہونے پاتے

کوئی چٹکی سی کلیجے میں لیے جاتا ہے!
ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے

خود تجلی کو نہیں اذنِ حضوری فانیؔ
آئینے ان کے مقابل نہیں ہونے پاتے

بیداد کے خوگر تھے فریاد تو کیا کرتے
کرتے تو کچھ اپنا ہی ہم تم سے گلہ کرتے

تقدیر محبت تھی مر مر کے جیے جانا
جینا ہی مقدر تھا ہم مر کے بھی کیا کرتے

مہلت نہ ملی غم سے اتنی بھی کہ حال اپنا
ہم آپ کہا کرتے اور آپ سنا کرتے

جان اس پہ فدا کر کے نادم اسے چاہا تھا — تدبیر تو اچھی تھی تقدیر کو کیا کرتے
احباب سے کیا کہیے اتنا نہ ہوا فانیؔ — جب ذکر مرا آتا مرنے کی دعا کرتے

○

قصۂ زیست مختصر کرتے — کچھ تو اپنی سی چارہ گر کرتے
موت کی نیند سو گئے بیمار — روز کس شام کو سحر کرتے
سچ ہے ہر نالہ کیوں رسا ہوتا — مرے نالے تھے کیوں اثر کرتے
خود وفا کیا وفا کا بدلہ کیا — لطف احسان تھا اگر کرتے
کر لیا ہر ترے نام پہ سجدہ — اب کہاں قصدِ سنگِ در کرتے
آس ہوتی تو اس سہارے پر — صبر ممکن نہ تھا مگر کرتے
کاش آئینہ ہاتھ سے رکھ کر — تم مرے حال پہ نظر کرتے
طولِ رودادِ غم معاذاللہ — عمر گزری ہے مختصر کرتے
غم نے مہلت نہ دی کہ ہم فانیؔ
اور کچھ دن ابھی بسر کرتے

○

ہم موت بھی آئے تو مسرور نہیں ہوتے — مجبورِ غم اتنے بھی مجبور نہیں ہوتے
دل ہی میں نہیں رہتے آنکھوں میں بھی رہتے ہو — تم دور بھی رہتے ہو تو دور نہیں ہوتے
پڑتی ہیں کبھی دل پر غم زائی ہوئی نظریں — جو وار دہ کرتے ہیں پھر طور نہیں ہوتے
امید کے وعدوں سے دل کچھ تو بہلتا تھا — اب یہ بھی ترے غم کو منظور نہیں ہوتے
ارباب محبت پر تم ظلم کے بانی ہو — یہ ورنہ محبت کے دستور نہیں ہوتے

کونین پہ بھاری ہے اللہ رے غرور انکا — اتنے بھی ادا والے مغرور نہیں ہوتے
ہے عشق ترا آفاقی تشہیر بھی شہرت بھی — رسوائے محبت یوں مشہور نہیں ہوتے

کچھ بس ہی نہ تھا ورنہ یہ الزام نہ لیتے
ہم تجھ سے چھپا کر بھی ترا نام نہ لیتے

نظریں نہ بچانا تھیں نظر مجھ سے بچا کر
پیغام نہ دینا تھا تو پیغام نہ لیتے

کیا عمر میں اک آہ بھی بخشی نہیں جاتی
اک سانس بھی کیا آپ کے ناکام نہ لیتے

اب پینے میں نہ وہ کیف نہ اب جام میں وہ بات
اے کاش ترے ہاتھ سے ہم جام نہ لیتے

قابو ہی غمِ عشق پہ چلتا نہیں ورنہ
احسانِ غمِ گردشِ ایام نہ لیتے

ہم ہیں وہ بلا دوست کہ گلشن کا تو کیا ذکر
جنت بھی بجائے قفس و دام نہ لیتے

خاموش بھی رہتے تو شکایت ہی ٹھہرتی
دل دے کے کہاں تک کوئی الزام نہ لیتے

اللہ رے ترے دل کی نزاکت کا تقاضا
تاثیرِ محبت سے بھی ہم کام نہ لیتے

تری ہی رضا اور تھی ورنہ ترے بسمل
تلوار کے سائے میں کبھی آرام نہ لیتے
اک جبر ہے یہ زندگیٔ عشق کہ فانیؔ
ہم مفت کبھی یہ عیشِ غمِ انجام نہ لیتے

○

نظر کے سامنے دل میں سما کے آئے تھے
وہ آپ اپنے تصور میں آ کے آئے تھے
گدازِ عشق سے پہلے عطا ہوا تھا مجھے
وہ شمع بزمِ محبت جلا کے آئے تھے
انھیں اُن ہی کی نگاہوں سے میں نے دیکھ لیا
مری نگاہ کا پردہ اٹھا کے آئے تھے
تمام عالمِ ہستی بسا گئے دل کو
تمام عالمِ ہستی پہ چھلک آئے تھے
محالِ دید ہی فانیؔ نہ تھی وہ آئے تو کیا
کسی پہ برقِ تجلّی گرا کے آئے تھے

○

ہم سے اے بے اثری ظلم یہ کیوں کر اٹھے
آسماں ٹوٹ پڑے دستِ دعا گر اٹھے
بزمِ جاناں میں نہیں قابلِ شرکت دلِ زار
کہ یہ دیوانہ ہے کیا جانیے کیا کر اٹھے

ہے انھیں مدِ نظر آج تماشا دل کا
درد سے کوئی یہ کہدے کہ سنبھل کر اٹھے

مددلے بیخودیٔ دل مددائے دردِ جگر
ہاتھ سینے سے نہ زانو سے مرا سر اٹھے

موت کہتی ہے کہ للہ اٹھاؤ خنجر
نازکی کہتی ہے نہ زنہار نہ خنجر اٹھے

جس جگہ بیٹھ گیا بیٹھ گیا فانیٔ زار
اب تو شاید ترے کوچے سے وہ مر کر اٹھے

اسیرِ غم وہ رخِ بے حجاب کر کے مجھے
کدھر گیا ہمہ تن اضطراب کر کے مجھے

شبِ فراق اجل سر پہ رکھ گئی احسان
امیدوارِ عنایاتِ خواب کر کے مجھے

تری جفا سے ہے بڑھ کر مری وفا کا شمار
دگرنہ تو ہی بتادے حساب کر کے مجھے

نہیں کہ وحشتِ دل چارہ گر نہیں ہے مجھے
جنونِ چارۂ وحشت مگر نہیں ہے مجھے

خرابِ لذتِ جاں کاہیٔ محبت ہوں
مآلِ عشق سے قطعِ نظر نہیں ہے مجھے

نہیں یہ مردنِ دشوار بے سبب یعنی
یقینِ مژدۂ پیغامبر نہیں ہے مجھے

جنوں سہی اثرِ بے خودیٔ غم نہ سہی
تمہیں خبر ہے کہ اپنی خبر نہیں ہے مجھے
نہ بارِ منتِ ناخن نہ خطرۂ سوزن
مجالِ بخیۂ زخمِ جگر نہیں ہے مجھے
یہ کیا ہے پھر کہ مجھے اک جہاں نظر آیا
خمارِ بادۂ وحدت اگر نہیں ہے مجھے
یہ جستجو ہے کہ ہے عالمِ مجاز کہاں
تلاشِ چشمِ حقیقت نگر نہیں ہے مجھے
ہلاکِ تلخیٔ تاثیرِ شکوہ ہوں فانیؔ
شکایتِ گلۂ بے اثر نہیں ہے مجھے

○

عہدِ خرد میں عشق کی رسوائیاں نہ پوچھ
آنے لگی ہے ذکرِ وفا سے حیا مجھے
کیوں شوخیٔ کرم یہ ازل میں بجائے دل
بخشا گیا ستم کدۂ مدعا مجھے
ہوں وہ فریب خوردہ رہبر کہ لاکھ بار
پلٹا کے لے چلا ہے مرا نقشِ پا مجھے
آئینہ تھا نقش بہ دیوار ہو گیا
تم دیکھتے مجھے تو کوئی دیکھتا مجھے

پالیا ذوقِ طلب نے ماورائے دل مجھے
جب مجھے منزل نے کھویا مل گئی منزل مجھے
یادِ عہدِ بیخودی جب تو ہی تو تھا میں نہ تھا
وہ بھی دن تھے جب کوئی مشکل نہ تھی مشکل مجھے
فطرتِ غم رفتہ رفتہ میری فطرت بن گئی
اضطرابِ دل ہے فانی اضطرارِ دل مجھے

○

گل خزاں کے راز کا محرم نظر آیا مجھے
ہر تبسم پردہ دارِ غم نظر آیا مجھے
کس کو کہیے ماسوا جب تو نہیں تو کچھ نہیں
تو نظر آیا تو اک عالم نظر آیا مجھے
حد پہ جب پہنچی نظر حدِ نظر آگے بڑھی
جو نظر آیا زیادہ کم نظر آیا مجھے
نوحۂ تدبیر تھا تقدیر کا ایک ایک حرف
خطِ پیشانی صفِ ماتم نظر آیا مجھے
جو تجھے سمجھا اُسے دنیا سمجھ سکتی نہیں
راز تھا جو راز کا محرم نظر آیا مجھے
زخم کے مرہم کئی دیکھے، مرہمِ بے زخم بھی
زخمِ دل ہی زخمِ بے مرہم نظر آیا مجھے

میں نے فانی ڈوبتی دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ دوست کچھ برہم نظر آیا مجھے

○

غم مجسم نظر آیا تو ہم انساں سمجھے
برق جب جسم سے وابستہ ہوئی جاں سمجھے
شوق کی گرمیٔ ہنگامہ کو وحشت جانا
جمع جب خاطرِ وحشت ہوئی ارماں سمجھے
حکمِ وحشت ہے کہ زنداں کو بھی صحرا جانو
دل وہ آزاد کہ صحرا کو بھی زنداں سمجھے
فانی اِس عالمِ ظاہر میں سراپا غم تھا
چھپ گیا خاک میں تو ہم غمِ پنہاں سمجھے

○

جس قدر چاہیے جلوؤں کی فراوانی دے
ہاں نظر دل سے تو مجھے فرصتِ حیرانی دے
ترجمانِ غمِ دل رنگِ شکستہ ہے نہ آہ
کون اس عہد میں اب دادِ زباں دانی دے
وحشتِ تازہ کا نوروز مبارک اے عشق
پھر بہار آئی مجھے خلعتِ عریانی دے
پھر تجھے زحمتِ درباں نہ مجھے شکوۂ غیر
میری قسمت کو جو تو خدمتِ دربانی دے

خلشِ درد سے کم مایۂ غم ہیں محروم
جنسِ حرماں کو خدا عزتِ ارزانی دے

ہے ہوسِ ہوش تو اس ہوش سے میں باز آیا
کاش پھر بے خبری مژدۂ نادانی دے

اپنے دیوانے پہ اتمامِ کرم کر یارب
در و دیوار دیئے اب انھیں ویرانی دے

سن کے افسانۂ دل متبسم ہو جا!
گریۂ شوق تو پھر دعوتِ طغیانی دے

رہ نہ جائے کہیں دشواریٔ فانیؔ باقی
اس کی مشکل کو بھی اب رخصتِ آسانی دے

ادھر نہ دیکھ مجھے بیقرار رہنے دے
مری نظر میں مرا اعتبار رہنے دے

بقیدِ حشر بھی عہدِ وفائے عہد نہ کر
خرابِ شوق کو امیدوار رہنے دے

نویدِ زندگیٔ دل کی تاب سہل نہیں
ابھی کچھ اور مجھے سوگوار رہنے دے

یقینِ لطف میں گم کر نہ لذتِ بیداد
جو ہو سکے تو غمِ انتظار رہنے دے

دل معرفتِ شوق سے بیگانہ بنا دے
دیوانۂ ہشیار کو دیوانہ بنا دے

ہر جلوۂ محسوس کو مرہونِ نظر کر
اس بزم میں ہر شمع کو پروانہ بنا دے

پھر اک نگہِ مست کہ بے کیف ہے عالم
میخانہ بہ یک گردشِ پیمانہ بنا دے

آ اور دلِ برباد میں اک حشر بپا کر — جا اور دلِ آباد کو ویرانہ بنا دے
حیرت کدۂ نازِ ازلی دل بھی ہے نظر بھی — اب دوست جسے آپ سے بیگانہ بنا دے
یک رنگیٔ دل لازمِ صد رنگ جنوں کر — کعبے کی بنا ڈال کے بت خانہ بنا دے
قربان تری شانِ حکیمانہ پہ ہر بات — اب بات باندازِ کریمانہ بنا دے
اک بوند لہو کی ہے تو یہ حال ہے دل کا — وہ موجِ تبسم کہیں دریا نہ بنا دے
افسانۂ دل یوں کوئی سنتا نہیں فانیؔ — اب موت کسی دن مجھے افسانہ بنا دے

مجبوریٔ مشکور کی تصویر دکھا دے — اے دستِ کرم پردۂ تدبیر اٹھا دے
حد کفرِ غمِ ہوش کی ایماں سے ملا دے — اس ہستیٔ موہوم کو توفیق بنا دے
آدابِ طلب سیکھ طلب بے ادبی ہے — مجرم ہے وہ سائل جو درِ دل پہ صدا دے
جو سوزِ محبت سے ہوا سرد وہ دل ہوں — وہ شمع ہوں جس کو پرِ پروانہ بجھا دے
نسبتِ کرمِ دوست سے آساں نہیں فانیؔ — ناکام تو ہے ذوقِ تمنا کو دعا دے

یاد آجاتے ہیں جب وہ اگلی صحبت کے مزے
لوٹتا ہے دل مرا دوزخ میں جنت کے مزے
صبح ہوتے ہی بھلا دے کوئی یارب کس طرح
رات بھر باہم وہ شکووں کے شکایت کے مزے
جب کیا اظہارِ غم ظالم نے جھنجھلا کر کہا
آگے آگے دیکھنا تم میری چاہت کے مزے

اے اجل گھبرائے گا تنہائیٔ تربت سے دل
یہ ابھی بھولا نہیں ہے جوشِ وحشت کے مزے

ایک غم سو راحتیں اک عشق سو کیفیتیں
یاس کی لذت جدا کچھ اور حسرت کے مزے

ہم ہیں اور بے تابیٔ دل، دل ہے اور دردِ فراق
وہ ہیں اور اللہ رکھے عیش و عشرت کے مزے

ربطِ حسن و عشق سے واقف نہ تھے تو چین تھا
واقفیت میں کہاں ناواقفیت کے مزے

کیا رفو کی داد مجھ سے چاہتا ہے چارہ گر
کھو دیئے کمبخت تو نے سب جراحت کے مزے

جمع ہیں لاکھوں حسیں سب بے تکلف بے حجاب
کیا ہی دل کش ہیں تماشائے قیامت کے مزے

اُن سے رسم و راہ کیا جاتی رہی جاتے رہے
خط کتابت کے مزے صاحب سلامت کے مزے

قبر پہ آ کر وہ فانی "بے مروت" لکھ گئے
مجھ سے پوچھے کوئی لفظِ "بے مروت" کے مزے

○

فرصت ہی نہیں کوئی گھڑی رنج سے غم سے
سو کام لگے ہیں دلِ ناکام کے دم سے

من جائیں اگر تم ہمیں جھوٹوں بھی منا لو
وعدے سے تسلی سے دلاسے سے قسم سے

کہتے ہیں جسے عشق وہ ایمان ہے اپنا
کچھ دیر سے مطلب نہ ہمیں کام حرم سے

کسی کو کیا مزے سود و زیاں سے
گرے کیوں برق بچ کر آشیاں سے

کمر جب تو ہی باندھے دشمنی پر
تو پھر کیا شکوہ کیجے آسماں سے

مٹاتے ہیں خطِ تقدیر کو ہم
جبیں گھستے ہیں تیرے آستاں سے

چرا کر دل پلٹ جانا مکرنا
یہ چالیں سیکھ لیں تم نے کہاں سے

بہت سر پیٹتی رہیں آرزوئیں
کوئی ناکام جاتا ہے جہاں سے

کیا کیا نہ اُس نے کام لیا اک حجاب سے
اکثر صفیں نظر کی اُلٹ دیں نقاب سے

کیا کیا ہے پوچھ اپنے رخِ بے نقاب سے
شاید نشانِ ذرّہ ملے آفتاب سے

جاتی ہے اے امید کہاں دل اجاڑ کر
چل دے نہ کوئی اُٹھ کے جہانِ خراب سے

کل تک جو تم سے کہہ نہ سکا حالِ اضطراب
ملتی ہے آج اس کی خبر اضطراب سے

یا میرے بے شمار گناہوں سے در گزر
یا میرے عذر سن کرم بے حساب سے
اے آرزوئے دید وہ دن کیا ہوئے کہ دل
لبریز شکوہ تھا نگہِ کامیاب سے
فانی جہانِ عشق میں ہوں لاکھ انقلاب
غم بدگماں نہیں اثرِ انقلاب سے

مشتاق خبردار ہیں دل سے جگر سے
ملتی ہے زمانے کی نظر اُن کی نظر سے
منہ ڈھانپ لیا جوشِ ندامت کے اثر سے
خورشید قیامت نے مرے دامن تر سے
یہ سایہ بھی اٹھا مری امید کے سر سے
منہ موڑ لیا آہ نے دنیا کے اثر سے
دل جن سے ملے اب وہ نگاہیں نہیں ملتیں
ملنے کو تو ملتی ہے نظر اُن کی نظر سے
پیکاں کے بھی ٹکڑے ہیں رفو کے بھی ہیں ٹانکے
سینے میں دھواں خیر سے اٹھتا ہے کدھر سے
امیدِ اثر ادران آہوں کو جو نکلیں!
اللہ کا گھر پھونک کے اللہ کے گھر سے

کیا پھر ترے ناوک نے کیا عزمِ نوازش
لبیک کی آتی ہے صدا چاکِ جگر سے
عرفانِ محبت سے جدا دل نہیں ہوتا
لیتے ہیں یہاں فالِ خبر ذوقِ خبر سے
بیکاریٔ وحشت میں ہم اے گریۂ وحشت
دیوار کی صورت کو بلا لیتے ہیں در سے
کس صبح کے مشتاق کا ماتم ہے کہ فانیؔ
روتی ہے گلے مل کے سحر شمعِ سحر سے

○

اک سرگزشتِ غم ہے کہ اب کیا کہیں جسے
وہ وارداتِ قلب تمنا کہیں جسے
اب زندگی ہے نام اُسی اُمیدِ دور کا
ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا کہیں جسے
دل حاصلِ حیات ہے اور دل کا ماحصل
وہ بے دلی کہ جانِ تمنا کہیں جسے
کیفیتِ ظہورِ فنا کے سوا نہیں
ہستی کی اصطلاح میں دنیا کہیں جسے
صحرا کا اجتہاد ہے ذرے کی ہر نمود
ذرے کا اعتبار ہے صحرا کہیں جسے

کیا فخر ہے لطافتِ دل پر گراں نہیں
وہ پیرہن غبارِ تمنا کہیں جسے

کب تک رہینِ ذوقِ تماشا رہے کوئی
اب وہ نگاہ دے کہ تماشا کہیں جسے

ہے اتصالِ قطرہ و دریا پہ منحصر
وہ آبروئے قطرہ کہ دریا کہیں جسے

دریوزۂ فنا مرے مسلک میں ہے حرام
در پردہ زندگی کا تقاضا کہیں جسے

فانیؔ سکوتِ موت نے دل سے مٹا دیا
وہ نقشِ بے قرار کہ دنیا کہیں سے

○

دوری ہی بھلی تھی نزدیکیٔ منزل سے
کشتی کو ملا ساحل ٹکرا گئی ساحل سے

شاید مرے مرنے کا دلچسپ نہ تھا منظر
آج ان سے مری حالت دیکھی گئی مشکل سے

ایمانِ محبت کی بجھتی نہیں چنگاری
اٹھتا ہے دھواں اب تک خاکِ حرمِ دل سے

ہوتا نہیں اب ان کی محفل میں شمار اپنا
یوں بیٹھے ہیں ہم جیسے اٹھ سے گئے محفل سے

وہ ہم سے کہاں چھپتے ہم خود ہیں جواب اُن کا
محمل میں جو چھپتے ہیں چھپتے نہیں محمل سے

تجھ کو یہ خبر ہوگی ہم کو تو نہ تھی ناصح
پہلی ہی نظر اٹھ کر رہ جائے گی قاتل سے

غربت میں غنیمت ہے اتنا بھی نشاں فانیؔ
کچھ خاک کے ذرے ہیں لپٹے ہوئے منزل سے

○

چونک پڑتے ہیں ذکرِ فانیؔ سے! — نیند اُچٹتی ہے اس کہانی سے
تیری نامہربانیوں کی قسم — لاگ ہے دل کو مہربانی سے
ہم نے اپنا سراغ پا ہی لیا — آپ کی شانِ بے نشانی سے
حشر کو بھی ہے دور کی نسبت — چشم بد دور اس جوانی سے
مژدۂ مرگِ ناگہاں کی پناہ — فتنۂ عمرِ جاودانی سے
کاش میری زباں سے سنتے — اب جو سنتے ہو بے زبانی سے
کچھ خبر بھی ہے روٹھنے والے — زندگی روٹھتی ہے فانیؔ سے

○

آہ سے یا آہ کی تاثیر سے — جی بہل جاتا کسی تدبیر سے
اب سے غم سہنے کی عادت ہی سہی — صلح کرلیں لاؤ چرخِ پیر سے
جبر کو کیوں کر نہ سمجھوں اختیار — تم نے باندھا ہے مجھے زنجیر سے
کام اب اس تدبیر پر ہے منحصر — واسطہ جس کو نہ تقدیر سے

اس نگاہِ ناز کا اللہ رے فیض — نسبتیں ہیں زخمِ دل کو تیر سے
ہوشیار اے چرخِ بے پرواہ خرام — بچ کے میری خاکِ دامن گیر سے
عشق فانی اس پہ یہ اپنی بساط — کھیلتی ہیں بجلیاں تقدیر سے

دادِ خودنمائی ہے وحدت تمنا سے — آئینہ طلب فرما کثرتِ تماشا سے
اور ہو نہ ہو حاصل انتظارِ فردا سے — اٹھ گیا محبت کا اعتبار دنیا سے
حشر میں وہ کیوں پوچھیں کیا نہ دوں جنہیں نسبت ہے — شانِ بے نیازی کو آرزوئے رسوا سے
عشرتِ تجلی کی لذتیں ذرا ٹھہریں — اکتسابِ غم کرلوں حسنِ بے تماشا سے
اُنکی دلنوازی میں کوئی شک نہیں لیکن — اُن کی دلنوازی کو لاگ ہے تمنا سے
لے ترا تصور بھی جا کے اب نہ آئے گا — رسم ہوش اٹھتی ہے عاشقی کی دنیا سے
اس نظر نے چن چن کر آج پھر مٹا ڈالا — اضطراب ناپیدا پھر سکونِ پیدا سے
قصۂ جنوں اب تک یاد ہے مگر اتنا — انتہا ہے ذروں پر ابتدا ہے صحرا سے
اس جگہ کو حاصل ہے اعتبار ساحل کا — حدِ جہاں پہ قطرے کی مل گئی ہے دریا سے
حسن کی اداؤں کو دیکھ ہی لیا ہوتا — کام آ پڑا فانی عشقِ کار فرما سے

کیا ہوا باندھی ہے صدقے نالۂ شب گیر کے
آسماں پر اکھڑے جاتے ہیں قدم تاثیر کے
بے مروت بن کے اب کیا سوئے صحرا جائیے
ٹوٹتے ہیں پاؤں پر حلقے مری زنجیر کے

ضبط باقی غم سلامت ہے تو سن لینا کبھی
آہ گھبرا کر نکل آئی کلیجہ چیر کے

وصل سے محروم میں سہی ورنہ گستاخی معاف
بوسے لیتا ہے تصور آپ کی تصویر کے

مجھ کو مضطر دیکھ کر کہتا ہے قاتل پیار سے
آ اِدھر سایے میں سو جا دامنِ شمشیر کے

ساتھ جائے گا مری میت کے سامانِ خلش
دل میں رکھ چھوڑے ہیں پیکاں میں نے تیرے تیر کے

میرے مرتے ہی دلِ بے تاب کو چین آ گیا
زندگی صدقے میں اتری گردشِ تقدیر کے

سعیٔ داماں بے اثر فکرِ دوا بے فائدہ
زخمِ دل اے چارہ گر قائل نہیں تدبیر کے

دیکھیے کیا ہو وہ اور آزردگیٔ بے سبب
ہم خطا ناکردہ خوگر عذرِ بے تقصیر کے

دیکھو فانیؔ وہ تری تدبیر کی میت نہ ہو
اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے

○

سمائیں آنکھ میں کیا شعبدے قیامت کے
مری نظر میں ہیں جلوے کسی کی قامت کے

یہاں بلائے شبِ غم وہاں بہارِ شباب
کسی کی رات کسی کے ہیں دن قیامت کے

ستارے ہوں تو ستارے نہ ہوں تو برقِ بلا
چراغ ہیں تو یہ ہیں بے کسوں کی تربت کے

الٹ دیا غمِ عشقِ مجاز نے پردہ
حجابِ حسن میں کچھ راز تھے حقیقت کے

اڑا لئے ہیں کچھ انداز موت نے فانیؔ
عتابِ یار کے روزِ سیاہ فرقت کے

○

ابھری ہوئی ہے چوٹ دلِ دردمند کی
رکھنا قدم تصورِ جاناں سنبھال کے

کہتے ہیں جن کو عرفِ محبت میں داغِ دل
وہ نقش تو نہ ہوں ترے پائے خیال کے

ہنگامۂ شباب ہے اے دل ذرا ٹھہر
جاتا ہے تو کہاں مجھے آفت میں ڈال کے

قرباں ایک آمدِ دل پر ہزار غم
صدقے اس ابتدائے قیامت مآل کے

○

غم مٹا دیا غم کا لذت آشنا کر کے   کیا کیا ستمگر نے خوگرِ جفا کر کے

کہتے ہو وفا کی بھی اک حد معین تھی — کس قدر پشیماں ہوں ترکِ مدّعا کر کے
وہ مری شکایت پر جب بگڑتے ہیں محشر میں — بت انھیں بنا پایا اب خدا خدا کر کے
وہ مرے جنازے پر بعدِ مرگ آتے ہیں — مدعا ہوا حاصل ترکِ مدعا کر کے
لذتِ فنا ہرگز گُفتنی نہیں یعنی — دل ٹھہر گیا فانیؔ موت کی دعا کر کے

کچھ ہوش گنوانے کے چرچے کچھ ہوش میں پھر آجانے کے
یہ دونوں عالم کچھ بھی نہیں ٹکڑے ہیں مرے افسانے کے
کچھ حیرت کے آثار سے ہیں کچھ دل سا ٹھہرا جاتا ہے
وحشت سے گزرتے جاتے ہیں انداز ترے دیوانے کے
دل کی جو حقیقت ہے کیا کہیے حسن بھی دل ہے عشق بھی دل
ہر شمع جلائی جاتی ہے پردے میں کسی پروانے کے
بیداد پہ کہیے اف نہ کریں سہیے تو تڑپ کر دم دے دیں
کچھ شغل ہمیں بھی آتے ہیں سرکار کا دل بہلانے کے
اک جادہ ہے غمِ دنیا کا اک راہِ محبت ہے فانیؔ
ہر آفت کے دو رستے ہیں اور وہ بھی مرے غمخانے کے

نظر آج اُن سے رہ گئی مل کے — آخری کچھ پیام تھے دل کے
تو نے دیکھے ہیں اے نسیمِ سحر — کچھ فدائی تھے شمعِ محفل کے
خلشیں تھیں ہمارے دم کے ساتھ — آج کانٹے نکل گئے دل کے

بھول کو بھول جاننے والے   کل یہ چھینٹے تھے خونِ بسمل کے
تیز تر جادۂ وفا سے گزر   مٹ رہے ہیں نشانِ منزل کے
جاتے ہیں چھوٹنے والے   چھوڑ جاتا ہے یوں کوئی ہل کے
خاک ہے تو اُسی گُل کی خاک!   اللہ اللہ یہ حوصلے دِل کے
اُن کی نظریں ہی کچھ کہیں تو کہیں   اُن کی نظروں نے کیا کیا دل کے
مرگِ فانی میں اب تو دیر نہ کر   سہل فرمانے والے مشکل کے

یوں چلے گر جانبِ دل بر چلے   سر کے بل یا جائیے یا بے سر چلے
باغِ دنیا کوئی اپنا گھر نہ تھا   آئے تھے گل گشت کرنے کر چلے
یہ تقاضا ہے ہوائے شوق کا!   اس طرح چل جس طرح صرصر چلے
ہاں کوئی جادو جگاؤ آنکھ سے   ہاں کوئی چلتا ہوا منتر چلے
خنجرِ قاتل کا شکوہ کیا کریں   جیتے جی ہم دل کے ہاتھوں مر چلے
کر چکے تم پہ فدا جانِ عزیز   ہم ادا حقِ محبت کر چلے
کس طرح سے ہم چلے سوئے لحد   بعدِ مدت جیسے کوئی گھر چلے
مل گئی فانی محبت کی سزا   دے کے دل ہم جان صدقے کر چلے

کی وفا یار سے ایک ایک جفا کے بدلے
ہم نے گن گن کے لیے خونِ وفا کے بدلے
کی سپردِ درِ بت خانہ اجل نے مری خاک
کس کو سونپا مجھے ظالم نے خدا کے بدلے

لطف، بیداد، حیا، غصہ، تغافل، شوخی
رنگ کیا کیا نہ تلون نے ادا کے بدلے

ہائے میں کشتۂ انداز ہوں یارب کس کا
حور آئی مجھے لینے کو قضا کے بدلے

تیر سے، تیغ سے، خنجر سے، سناں سے مارا
کئی پہلو مرے قاتل نے قضا کے بدلے

کفن اے گردِ لحد دیکھ نہ میلا ہو جائے
آج ہی ہم نے یہ کپڑے ہیں نہا کے بدلے

عشق اللہ بچائے وہ مرض ہے فانیؔ
زہر بیمار کو دیتے ہیں دوا کے بدلے

○

دم نزع آ دیکھ انجامِ فرقت
جدا ہو رہے ہیں جدا ہونے والے

خدائی کے سر جھک گئے انکے در پر
یہ کافر ہیں کیا جانے کیا ہونے والے

کبھی تو مرے دردِ دل کی خبر لے
مرے درد سے آشنا ہونے والے

مجھے موت کا آسرا دے رہے ہیں
مری زیست کا مدعا ہونے والے

کوئی بے نیازی کی حد بندہ پرور
کسی کے ہو شاید خدا ہونے والے

○

وہ میری لاش پہ تہمت سی کچھ اٹھا کے چلے
مجھے قرار سے دیکھا تو مسکرا کے چلے

یہ دل حریفِ تجلی ہی کیوں بنایا تھا
کہ جب یہ نقش دوئی بن گیا مٹا کے چلے

ادائے دعوتِ نظارہ دیدنی ہے کہ وہ
مری نگاہ سے نظریں بچا بچا کے چلے

مگر نمودِ مشیّت وجود دیکھتا اپنا!
رضائے دوست کو ہم آئینہ دکھلا کے چلے

بلا کشوں کا تمہاری بلا کرے ماتم
جو غم اٹھانے کو آئے تھے غم اٹھا کے چلے

کرم کیا تو یہ اندازۂ تبسم برق
وہ کچھ خیال میں آئے ہی تھے کہ آ کے چلے

یہ لطفِ عام ہے فانی پہ کچھ نہیں موقوف
جدھر حضور گئے بجلیاں گرا کے چلے

○

کیا چاہتے ہو منہ سے اللہ کبھی نہ نکلے!
ارمانِ دل بقدرِ یک آہ کبھی نہ نکلے

چاہوں کبھی اور یہ ضد ہے جا بجا انھیں کا چاہوں
دل سے دعا کبھی نکلے دل خواہ کبھی نہ نکلے

اللہ رے سخت جانی تنہائے غم کے نالے
تاثیر کیا دکھاتے جانکاہ کبھی نہ نکلے

ہر راہ سے گزر کر دل کی طرف چلا ہوں
کیا ہو جو ان کے گھر کی یہ راہ کبھی نہ نکلے
کیا وصفِ جور بھی ہے اب ناگوارِ خاطر
دل سے شکستِ دل پر اب واہ کبھی نہ نکلے
شکوہ نہ کر فغاں کا وہ دن خدا نہ لائے
تیری جفا پہ دل سے جب آہ کبھی نہ نکلے
اے جان و دل کے دشمن یہ کیا کہ جانِ فانیؔ
نکلے بھی اور دل کے ہمراہ کبھی نہ نکلے

○

گریۂ جوشِ ندامت بس اب تھمنے کا تو نام نہ لے
جب تک رحمت کا ہر پہلو دل کا دامن تھام نہ لے
دل کی لاحدود فضائیں گم ہو جا یوں آپ کو ڈھونڈ
ہوش کے بس کا روگ نہیں ہے ہوش سے تو یہ کام نہ لے
راحت کا مفہوم یہی ہے جہدِ طلب سے باز نہ آ
بڑھنے دے دل کی بے چینی تڑپ جا، آرام نہ لے
لغزشِ توبہ کے ہاتھوں رندوں کا ٹھکانہ تھا کوئی
مستیٔ چشم اگر تو گرتے ہوؤں کو تھام نہ لے
ننگ ہے سعیٔ عرضِ محبت فرضِ محبت پورا کر
اس کے سوا کچھ یاد نہ رکھے بھولے سے اثر کا نام نہ لے

دل تو دل ہے دل کو چین آ جانا آسان نہیں
درد وہ ہے جو دل میں اٹھ کر آپ ہی پھر آرام نہ لے

جو سہنا ہے ہو کے رہے گا مجبوری کی حد سے نہ بڑھ
بیٹھے بٹھائے اپنے سر آزادی کا الزام نہ لے

کافر صورت دیکھ کے منہ سے آہ نکل ہی جاتی ہے
کہنے کی ہو تاب کوئی اللہ کا یوں ہی نام نہ لے

حسنِ پشیماں کو فانی میت پہ نہ دے تکلیفِ کرم
وضعِ شکستِ عشق نبھا دے دیکھ کوئی الزام نہ لے

موت کی رسم نہ تھی ان کی ادا سے پہلے
زندگی درد بنا نی تھی دوا سے پہلے

کیوں رہے بیچ میں یہ واسطۂ حسنِ قبول
بند کر باب اثر میری دعا سے پہلے

کاٹ ہی دیں گے قیامت کا دن اک اور سہی
دن گزارے ہیں محبت میں قضا سے پہلے

میری عادت ہے وفا ان پہ کچھ احسان نہیں
تھا مجھے ذوقِ وفا اُن کی جفا سے پہلے

دو گھڑی کے لیے میزانِ عدالت ٹھہرے
کچھ مجھے حشر میں کہنا ہے خدا سے پہلے

کچھ ادائیں ہیں جنہیں قتلِ محبت ہے منظور
کچھ سزائیں ہیں جو ملتی ہیں خطا سے پہلے
تم جوانی کی کشاکش میں کہاں بھول اٹھے
وہ جو معصوم شرارت تھی ادا سے پہلے
ہائے اُن کا مری میت پہ یہ عذرِ تاخیر
سو گئے تم مرے دامن کی ہوا سے پہلے
دارِ فانی میں یہ کیا ڈھونڈ رہا ہے فانی
زندگی بھی کہیں ملتی ہے فنا سے پہلے

○

وعدہ پھر اب کے بار کر کے چلے
پھر تم امیدوار کر کے چلے
دل کو کس دن قرار آیا تھا
تم کسے بے قرار کر کے چلے!
دردِ دل کو جگانے آئے تھے
درد کو ہوشیار کر کے چلے
اٹھ رہا ہے حشر پہ تزا دیدار
لے تیرا اعتبار کر کے چلے
دل پہ کچھ اختیار تھا فانی
دل کو بے اختیار کر کے چلے

○

توبہ نہ کرو ستم سے پہلے
اتنا تو کرو کرم سے پہلے
اچھا کوئی عذر بھی نہ سُننا
کچھ منہ سے تو کہنے ہم سے پہلے
تیری ہی خوشی ہے آج غم بھی
تیری ہی خوشی تھی غم سے پہلے
کچھ اور حسین ہو گئے آپ
یہ بات نہ تھی ستم سے پہلے

مشکل ہے کہ اب وعدہ وفا ہو — کچھ کہہ کے رکے قسم سے پہلے
منزل پہ ٹھہر گیا ہوں تھک کر — بت خانہ پڑا حرم سے پہلے

فانیؔ غمِ روزگار کب تک
کچھ فکرِ عدم عدم سے پہلے

جنسِ دل مفت کھپا کر کوئی دیوانہ بنے
زلفِ جاناں سے بنا ہے کوئی سودا نہ بنے

اے تری شان کہ بت خانہ تو کعبہ بن جائے
دل کہ مسکن ہے ترا کعبہ سے بت خانہ بنے

لب تک آجائے غمِ ہجر تو شکوہ ہو جائے
آپ سن لیں تو عجب کیا ہے کہ افسانہ بنے

چمکا دیا ہے رنگِ چمن لالہ زار نے — شاید خزاں کو آگ لگا دی بہار نے
ہر شام شامِ گور ہے ہر صبح صبحِ حشر — کیا دن دکھائے گردشِ لیل و نہار نے
تربت کے پھول شام سے مرجھا کے رہ گئے — رو رو کے صبح کی مرے شمعِ مزار نے
ہاں ہم نہ تھے فریبِ تمنا سے بے خبر — کیا کہیے کیا کیا دلِ امیدوار نے
اپنی تو ساری عمر ہی فانیؔ گزار دی — اک مرگِ ناگہاں کے غمِ انتظار نے

گرتے ہیں یہ گل تیری اک جنبشِ دامن نے
یوں کر نہ لیے پیدا دو پھول بھی گلشن نے

بخشا جو شرف اُن کے اڑتے ہوئے دامن نے
اٹھ اٹھ کے بلائیں لیں خاکِ سرِ مدفن نے

جو مجھ پہ ہوئی ایسی بیداد نہ کی ہوگی
اللہ کے بندوں پر اللہ کے دشمن نے

وہ قصۂ موسیٰ[4] پھر اے سوزِ جگر کہنا
کس آگ کی چنگاری دی وادیٔ ایمن نے

یہ سوختہ سامانی کس کس کے نہ کام آئی
لی ایک نہ اک بجلی ہر دانۂ خرمن نے

کل تک یہی گلشن تھا یا دیکھی تجلی بھی
دنیا ہی بدل دی ہے تعمیرِ نشیمن نے

یہ رنگ و محبت کی روداد ہے اے فانیؔ
اک دوست کے پردے میں مارا ہمیں دشمن نے

لبیک کہا کس کو حیاتِ ابدی نے
دم توڑ دیا کیا ترے قدموں پہ کسی نے

مجموعۂ آدابِ دو عالم ہے محبت
مرنے کے سلیقے ہیں یہ جینے کے قرینے

مرتے ہی بن آتی نہ جیتے ہی بن آئی
مارا مجھے قاتل کی مسیحا نفسی نے

پڑتا نہیں اس آئینے میں عکس کوئی اور
دل میں تری تصویر سی رکھدی ہے کسی نے

آئینہ بصد جلوہ و ہر جلوہ بصد رنگ
کیا کیا نہ کیا تیری تماشا طلبی نے

دو نام ہیں ہستی و فنا ایک ہی دل کے
مارا ہے اسی دل نے جلایا ہے اسی نے

امید بھی کیا شے ہے کہ سانس میں فانیؔ   کچھ زندگیٔ خضر کے پاتا ہوں قرینے

○

ادا سے آڑ میں خنجر کی منہ چھپائے ہوئے
مری قضا کو وہ لائے دلہن بنائے ہوئے

الٰہی کیوں نہیں ہوتی کوئی بلا نازل!
اثر ہے دیر سے دستِ دعا اٹھائے ہوئے

تری لگائی ہوئی آگ حشر تک نہ بجھی
ہوئے نہ مر کے بھی ٹھنڈے ترے جلائے ہوئے

بلائے جان ہے مگر پھر بھی آرزو ہے تری
ہم اس کو اپنے کلیجے سے ہیں لگائے ہوئے

سحر ہوئی کہ وہ یادش بخیر آتا ہے
چراغ ہیں مری تربت کے جھلملائے ہوئے

تمھیں کہو تمھیں اپنا سمجھ کے کیا پایا
مگر یہی کہ جو اپنے تھے سب پرائے ہوئے

کسی کا ہائے وہ مقتل میں اس طرح آنا
نظر بچائے ہوئے آستیں چڑھائے ہوئے

اجل کو مژدۂ فرصت کہ آج فانیؔ زار
امیدِ وصل سے بیٹھا ہے لو لگائے ہوئے

✤

جاتا ہے صبر بے سر و ساماں کیے ہوئے
ناموسِ عشق ہدیۂ مژگاں کیے ہوئے

افشائے رازِ اہلِ جنوں مصلحت نہیں
پھرتا ہوں دھجیوں کو گریباں کیے ہوئے

پھر لے چلا ہے گریۂ بیتاب خطِ شوق
دل کے لہو کو زینتِ عنواں کیے ہوئے

پھر ناوکِ نگاہ کا رخ پھیر سوئے دل
سامانِ صد جراحتِ پنہاں کیے ہوئے

دل کی لحد پہ خاک اڑانے چلا ہے عشق
ذرّہ سے آفتاب بیاباں کیے ہوئے

پھر گوشہ گیرِ حلقۂ زنجیر ہے جنوں
صحرا کو نذرِ تنگیٔ زنداں کیے ہوئے

ادراکِ دردِ دل بھی رہا ہر نفس کے ساتھ
دشواریٔ حیات کو آساں کیے ہوئے

طوفانِ اضطرابِ جنوں اٹھ کہ دیر سے
بیٹھا ہوں جمعِ خاطرِ داماں کیے ہوئے

اے عقلِ غم فروش فراغت نما ٹھہر
آتا ہے عشق درد کو درماں کیے ہوئے

کیوں اہلِ حشر ہے کوئی نقّادِ سوزِ دل
لایا ہوں دل کے داغ نمایاں کیے ہوئے

فانیؔ اب ان کی یاد پہ کیا کیجیے نثار
مدت ہوئی وداعِ دل و جاں کیے ہوئے

ہر دل ہے تیرے غم کی امانت لیے ہوئے
ذرے ہیں اک جہانِ حقیقت لیے ہوئے

دے اذنِ عامِ عشق کو تاراجِ ہوش کا
بیٹھا ہوں دل میں صبر کی دولت لیے ہوئے

محشر میں جبرِ دوست سے طالب ہوں داد کا
آیا ہوں اختیار کی تہمت لیے ہوئے

اس خاکدانِ تیرہ میں کیا ڈھونڈتا ہوں میں
پھرتا ہوں شمعِ داغِ محبت لیے ہوئے

کافر ہوں گر یقین نہ ہو کافر کی بات کا
وعدے ہیں اعتبارِ قیامت لیے ہوئے

روشن ہوئی وہ گورِ غریباں میں شمعِ طور
آغوشِ نور میں مری تربت لیے ہوئے

اٹھا اے نگاہِ شوق اٹھ متاعِ جاں لیے ہوئے
وہ دامنِ نگاہ میں ہیں بجلیاں لیے ہوئے

فلک کی ساری پستیاں سپردِ قلبِ خاک ہیں
زمیں کی ساری رفعتیں ہیں آسماں لیے ہوئے

حجابِ روزگار میں جھلک ہے یادِ یار کی
نشاطِ آشکار ہے غمِ نہاں لیے ہوئے

وصال ہو کہ ہجر ہو حیات ہو کہ موت ہو
ہر اعتبارِ عشق ہے پیامِ جاں لیے ہوئے

بنائے غم کی خیر ہو کہ آج آہ واپسیں
چلی ہے دل کی وادیوں سے آندھیاں لیے ہوئے

نہ پوچھ عہدِ ہوش کو کہ دامنوں کی آڑ میں
بکھر گیا ہوں دامنوں کی دھجیاں لیے ہوئے

قبائے ذات نام ہے لطافتِ حیات کا
غبارِ راہِ کارواں ہے کارواں لیے ہوئے

ترے کرم سے کیا سماں ہے عالمِ گناہ کا
سیاہیاں امید کی تجلیاں لیے ہوئے

دلیلِ فتحِ عاشقی نویدِ صد شکست ہے
امانتِ بہار ہے مری خزاں لیے ہوئے

○

آیا ہوں حشر میں دلِ شیدا لیے ہوئے
آشوبِ صد جہانِ تماشا لیے ہوئے

ہنگامۂ نزع راہ تری دیکھتا ہوں میں
آنکھوں میں زندگی کا تقاضا لیے ہوئے

دیکھیں میں ہم نے گورِ غریباں کی آڑ میں
آبادیاں خرابیٔ صحرا لیے ہوئے

دیکھا نہ اہلِ دل نے کسی دن اٹھا کے آنکھ
دنیا گزر گئی غمِ دنیا لیے ہوئے

ہر آئینہ ہے دعوتِ سعیٔ نظر مجھے
ہر سعی اعتبارِ تماشا لیے ہوئے

اٹھنا وہ تیرے در سے کسی نامراد کا
اک آہ زیرِ لب کا سہارا لیے ہوئے

فانیؔ مری لحد پہ وہ آئے تو کس طرح
کچھ تیوروں میں شکوۂ بے جا لیے ہوئے

○

فلک دشمن ہے نالے بے اثر ہیں یار بے پروا
تری مشکل ہو آساں اے دلِ ناداں یہ مشکل ہے

الٰہی قطع ہو گی روح سے راہِ عدم کیوں کر
مجھے جب سانس لینا ضعف سے قطعِ منازل ہے

بقائے جذبۂ الفت اسے کہتے ہیں اے فانیؔ
کہ اب تک گردبادِ خاکِ مجنوں شکلِ محمل ہے

○

کس قدر جذبہ الٰہی خنجرِ قاتل میں ہے
میاں سے نکلے تو میں سمجھوں کہ خنجر دل میں ہے

حالِ دل کب تک سنو گے بس تم اتنا جان لو
مرغِ بسمل کی سی کیفیت دلِ بسمل میں ہے

منہ سے کہیے یا نہ کہیے مل گیا ہم کو جواب
آپ کے تیور کہے دیتے ہیں جو کچھ دل میں ہے

○

رنجشِ بے جا تمہاری اور ہے بخت کی ناسازگاری اور ہے
کون اٹھائے بارِ احسانِ شفا اب تمنا ہی ہماری اور ہے
آنسوؤں پر منحصر رونا نہیں عاشقوں کی اشکباری اور ہے
باوفاؤں پر جفا کرتے ہو تم ورنہ رسم دوستداری اور ہے

○

کسی کی یادِ مژگاں دل میں جب نشتر چبھوتی ہے
خلش ہوتی ہے لیکن کس قدر پر لطف ہوتی ہے

قدم آہستہ اے امید رکھنا خانۂ دل میں
کہ میری آرزو آغوشِ محرومی میں سوتی ہے

تصنع سے نہیں خالی ضیائے حسنِ فطرت بھی
کہ شبنم رات بھر گلشن میں منہ پھولوں کا دھوتی ہے

مبارک جذبۂ دل اشکِ پیہم کا گہر ہونا
کسی کی یاد اکثر تارِ تصور میں پروتی ہے

کلیجہ تھام لو تم تابِ شیون لا نہیں سکتے!
کہ میری موت میری بے کسی سے مل کے روتی ہے

جو پہلے نم کیا کرتی تھی ظالم تیرے دامن کو
وہ چشمِ خوں فشاں اب رختِ ہستی کو بھگوتی ہے

نہ چھوڑا نخلِ غم کی آبیاری نے لہو باقی
سرشتِ عشق دل میں کس بلا کا بیج بوتی ہے
مری حسرت کو فانی کاش اتنا کوئی سمجھا دے
کہاں تک سوگواری صبر کر کیوں جان کھوتی ہے

○

تم نے جانا ہی نہیں دردِ جگر کیا چیز ہے
دل کا آ جانا کسی بے درد پر کیا چیز ہے
کس کو دیکھوں کس کو سمجھوں دونوں عالم میں حسیں
حور بھی قربان ہے تم پر بشر کیا چیز ہے
کاش میں واقف نہ ہوتا رسم و راہِ عشق سے
کاش تم سمجھو کہ عشقِ فتنہ گر کیا چیز ہے
کیا کہو گے گر وہ فانی حالِ دل سن کر کہے
ہم نے مانا دردِ دل کچھ ہے مگر کیا چیز ہے

○

تو شمعِ آئینہ خانہ ہے آئینہ کیا ہے
تری خدائی کے قربان ماسوا کیا ہے
اٹھا بھی دے نگہِ ماسوا نگر کا حجاب
یہ دیکھنے ہی کا پردہ ہے دیکھتا کیا ہے
کیا ہے خلق مجھے باوجودِ علمِ گناہ!
یہ ابتدا ہے کرم کی تو انتہا کیا ہے

○

بشر میں عکسِ موجوداتِ عالم ہم نے دیکھا ہے
وہ دریا ہے یہ قطرہ لیکن اس قطرہ میں دریا ہے

مری میت پہ اُن کا طرزِ ماتم کس بلا کا ہے
دلِ بے مدعا سے پوچھتے ہیں مدعا کیا ہے

مری آنکھوں میں آنسو تجھ سے ہمدم کیا کہوں کیا ہے
ٹھہر جائے تو انگارہ ہے بہہ جائے تو دریا ہے

کوئی دل میں نہیں آتا تو پھر یہ داغِ دل کیا ہے
بتا اے عشق یہ کس چور کا نقشِ کفِ پا ہے

مری محرومیوں کا فیض جاری ہے رگ و پے میں
بدن میں جو لہو کی بوند ہے خونِ تمنا ہے

غبارِ رشکِ خارستانِ حسرت یاس کے منظر
ہمارے دل کی دنیا بھی کوئی دنیا میں دنیا ہے

تمہارے ظلم طعنے غیر کے لوگوں کے آوازے
محبت میں دلِ مجبور کو سب کچھ گوارا ہے

نظر آتے ہیں دل میں آج پھر آثارِ بے تابی
ہم اے امید سمجھے اس میں کچھ تیرا اشارا ہے

محبت ہی نہیں تو پاسِ آدابِ محبت کیا
وفا کی یا جفا کی جانے دو یہ ذکر ہی کیا ہے

اسی کو تم مگر اے اہلِ دنیا جان کہتے ہو
وہ کانٹا جو مری رگ رگ میں رہ رہ کر کھٹکتا ہے

نہ بن انجان ظالم لاکھ بے تاثیر ہوں نالے
خبر دل کی نہ ہو دل کو کہیں ایسا بھی ہوتا ہے

شبِ فرقت میں ہم ہر سانس سے یہ پوچھ لیتے ہیں
جگر تو خیریت سے ہے مزاجِ دل تو اچھا ہے
یہ کیا کہتے ہو فانیؔ سے کہ تیری موت آئی ہے
تم اس ناکام کے دل سے تو پوچھو زندگی کیا ہے

○

متاعِ جلوہ تحیر ہے مجھ کو سکتا ہے
دل آئینہ ہے کہ منہ آئینے کا تکتا ہے
حجابِ زعمِ تماشا اٹھا تو کچھ دیکھوں
رہی نگاہ یہ پردہ تو اٹھ ہی سکتا ہے
وہ دل میں ہوک سی اٹھی وہ مجھ کو ہوش آیا
وہ درد جس کی دوا تو ہے پھر چمکتا ہے
امید و بیم پہ ہے ہستیِ بشر موقوف
کہ جا کے دم بلب آتا ہے دل دھڑکتا ہے
خفا نہ ہو تو یہ پوچھوں کہ تیری جان کے دور
جو تیرے ہجر میں جیتا ہے مر بھی سکتا ہے
اجل بس ایک ہی کانٹا نکال کر چل دے
کھٹک کہ خارِ تمنا ابھی کھٹکتا ہے
حدودِ غم سے غمِ عشق بڑھ چلا فانیؔ
وہ جامِ عمر کہ لبریز تھا چھلکتا ہے

○

دل جو عالم میں فرد رہتا ہے
نذرِ ارباب درد رہتا ہے
جانے دل کے لہو پہ کیا گزری
رنگ اشکوں کا زرد رہتا ہے
سوزِ غم کی نہ پوچھ ضبط کو دیکھ
یہ جہنم بھی سرد رہتا ہے
مژدہ انجامِ غم کے پہلو میں
دل بعنوانِ درد رہتا ہے
ذرے ذرے کے روپ میں فانیؔ
کوئی صحرا نورد رہتا ہے

اب نہیں اپنی اداؤں سے حجاب آتا ہے
چشمِ بد دور دلہن بن کے شباب آتا ہے

ہجر میں بھی مجھے امدادِ اجل تھی درکار
میری تربت پہ نہ آنکھ سے حجاب آتا ہے

دیدِ آخر ہے الٹ دیجئے چہرے سے نقاب
آج عشاق کے چہرے پہ نقاب آتا ہے

کس طرف جوشِ کرم تیری نگاہیں اٹھیں
کون محشر میں سزاوارِ عتاب آتا ہے

موت کی نیند بھی اب چین سے سونا معلوم
کہ جنازے پہ وہ غارت گرِ خواب آتا ہے

دل کو اس طرح ٹھہر جانے کی عادت تو نہ تھی
کیوں اجل کیا مرے نامے کا جواب آتا ہے

جلوۂ رنگ ہے نیرنگِ تقاضائے نگاہ
کوئی مجبورِ تماشائے سراب آتا ہے

ہو گیا خون ترے ہجر میں دل کا شاید
اب تصور بھی ترا نقش بر آب آتا ہے

ملتی جلتی ہے مری عمرِ دو روزہ فانی
جی بھر آتا ہے اگر ذکرِ حباب آتا ہے

○

جلوہ بے چشم آشنا کیا ہے
میں ہی میں ہوں مرے سوا کیا ہے

شغل ہے زندگی کی فرصت کا
اور مجبور کی دعا کیا ہے

تیری تدبیر ہے مری تقدیر
ابتدا یہ ہے انتہا کیا ہے

دل سراپا نظر وہ حسنِ تمام
بند کر آنکھ دیکھتا کیا ہے

مدعا ہے کہ مدعا نہ کہوں
پوچھتے ہیں کہ مدعا کیا ہے

گلہ مندِ جفا تو ہو فانی
یہ بھی معلوم ہے جفا کیا ہے

○

رگ رگ میں اب اندازِ بسمل نظر آتا ہے
ہر سانس کے پردے میں قاتل نظر آتا ہے

وہ وعدۂ آساں پہ مائل نظر آتا ہے
اب کارِ تمنا بھی مشکل نظر آتا ہے

تو دشنہ و پہلو میں حائل نظر آتا ہے
جیتے ہیں کہ مر جانا مشکل نظر آتا ہے

ترکِ غمِ ساحل کا حاصل نظر آتا ہے
لے ڈوبنے والے وہ ساحل نظر آتا ہے

دل کھوئے ہوئے برسوں گزرے ہیں مگر اب بھی
آنسو نکل آتے ہیں جب دل نظر آتا ہے

آغازِ محبت میں جینے کے ہی لالے تھے
اب خیر سے مرنا بھی مشکل نظر آتا ہے

تو مستِ خود آرائی ہم حسن کے متوالے
جو ہے تری محفل میں غافل نظر آتا ہے

رودادِ محبت کی تصویر ہے ہر آنسو
ہر قطرۂ خوں میں اک دل نظر آتا ہے

بیتابیٔ بے صرفہ بے وجہ نہیں یعنی
دل دردِ محبت کے قابل نظر آتا ہے

موجوں کی سیاست سے مایوس نہ ہو فانیؔ
گرداب کی ہر تہہ میں ساحل نظر آتا ہے

○

جب پرسشِ حال وہ فرماتے ہیں جانیے کیا ہو جاتا ہے
کچھ یوں بھی زباں نہیں کھلتی کچھ دردِ سوا ہو جاتا ہے

اب خیر سے ان کی بزم کا اتنا رنگ تو بدلا میرے بعد
جب نام مرا آ جاتا ہے کچھ ذکرِ وفا ہو جاتا ہے

یکتائے زمانہ ہونے پر صاحب یہ غرور خدائی کا
سب کچھ ہو مگر ظالم بد بن کیا کوئی خدا ہو جاتا ہے

قطرہ قطرہ ہی رہتا ہے دریا سے جدا رہ سکنے تک
جو تابِ جدائی لا نہ سکے وہ قطرہ فنا ہو جاتا ہے

پھر دل سے فانی سارے کے سارے نقش جفا مٹ جاتے ہیں
جب وقت وہ ظالم سامنے آکر جانِ حیا ہو جاتے ہیں

○

دل کو نہ کیوں کہوں جو ازل سے خراب ہے
یہ کیوں کہوں کہ اُن کی تمنا عذاب ہے
یہ اس نگاہِ ہوش ربا کی خطا نہیں
دنیا بقدرِ ذوقِ خرابی خراب ہے
اب کیا کہیں کہ شکوۂ بیدادِ دوست کا
ہلکی سی ایک موجِ تبسم جواب ہے
کچھ اضطرابِ شوق کی لذت نہ پوچھئے
کہنے کو اضطراب فقط اضطراب ہے
میری نظر بھی اب مجھے پہچانتی نہیں
دل کا بھی انقلاب عجب انقلاب ہے
جب تو یہ تھا کہ ہے وہ تجلی حجاب میں
اب کچھ نہیں تو اُن کی تجلی حجاب ہے
فانی خیالِ دوست سے پیدا ہے شانِ دوست
دل کا یہ فیض ہے کہ نظر کامیاب ہے

○

کم دردِ جگر ہے یا بہت ہے   جو آپ سے مل گیا بہت ہے

پچھتائیں گے آپ دل کو لے کر — کم بخت غم آشنا بہت ہے
تکلیفِ جفا بھی کیوں کریں آپ — احسانِ غمِ وفا بہت ہے
چاہیے اور کیا زندگی کو — مر رہنے کا آسرا بہت ہے
فانیؔ غم خدا نہ کرنا — کشتی کو تری خدا بہت ہے

○

رابطۂ جسم و جاں دیکھیے کب تک رہے
زیست کا ہم پہ گماں دیکھیے کب تک رہے
میری گراں جانیاں مجھ سے جدا ہوں نہ ہوں
سعیٔ الم رائگاں دیکھیے کب تک رہے
دیکھیے کب تک مٹے سینۂ فانیؔ کا داغ
تربتِ دل کا نشاں دیکھیے کب تک رہے

○

ستم ایجاد رہو گے ستم ایجاد رہے
اس میں اب شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے
آپ نے عہد کیا ہے مری غم خواری کا!
اب اجازت ہو تو یہ عہد مجھے یاد رہے
کر مری توبہ کو مقبولِ شکستِ توبہ!
میری تدبیر میں تقدیر کی افتاد رہے
قیدِ ہستی سے بہت تم نے کیے ہیں آزاد
کوئی اس قیدِ محبت کی بھی آزاد رہے

وہ خدائی ہو تو ہو شانِ تجلی تو نہیں
جس تجلی میں نگاہوں کو خدا یاد رہے
ظلم ہے تجھ سے بہ تقریب تکلف منسوب
ورنہ تقدیرِ وفا یہ ہے کہ برباد رہے
دلِ آباد کا فانیؔ کوئی مفہوم نہیں
ہاں مگر جس میں کوئی حسرتِ برباد رہے

○

وہ مشقِ خوئے تغافل پھر ایک بار رہے
بہت دنوں مرے ماتم میں سوگوار رہے
خدا کی مار جواب دل پہ اختیار رہے
بہت قرار کے پردے میں بے قرار رہے
کسی نے وعدۂ صبر آزما کیا تو ہے
خدا کرے کہ مجھے تابِ انتظار رہے
فنا کے بعد یہ مجبوریاں ارے توبہ!
کوئی مزار میں کوئی سرِ مزار رہے
سکونِ موت مری لاش کو نصیب نہیں
رہے کوئی تو اتنا نہ بے قرار رہے
میں کب سے موت کے اس آسرے پہ جیتا ہوں
کہ زندگی مری مرنے کی یادگار رہے

جو دل بچا نہ سکے جان کیا بچا لیں گے
نہ اختیار رہا ہے نہ اختیار رہے

میں یا غم نصیب وہ مجبورِ شوق ہوں فانی
جو نامراد جیے اور امیدوار رہے

○

گردشِ جام و سبو کرتے رہے
رندِ مشتاق ہا و ہو کرتے رہے

ان کی آواز آ رہی تھی دل کے پاس
دیر تک کچھ گفتگو کرتے رہے

روز بڑھتی ہی رہی اک آرزو
روز ترکِ آرزو کرتے رہے

یہ بھی وحشت تھی کہ دامن کر کے چاک
ہم تکلف سے رفو کرتے رہے

دل میں یا رہتے تھے وہ فانی اور ہم
جستجو ہی جستجو کرتے رہے

○

اے موت تجھ پہ عمرِ ابد کا مدار ہے
تو اعتبارِ ہستیِ بے اعتبار ہے

عہدِ ازل یہ زندگیوں کا مدار ہے!
عالم تمام غمکدۂ اعتبار ہے

ذراتِ چشمِ شوق ہیں آمادۂ نگاہ!
محرومیوں کو اب بھی ذرا انتظار ہے

بیداد کا گلہ تو کروں اور جو وہ کہیں
یہ کیجئے امتحانِ وفا ناگوار ہے

اک یہ وفا کہ ننگِ غمِ دوست ہے ہنوز
اک وہ ستم کہ حسن کا آئینہ دار ہے

تمیزِ حسن و عشق نہ عرفانِ غم مگر
اک تیرِ بے پناہ کلیجے کے پار ہے

دیکھیں خرامِ ناز کی محشر طرازیاں
ہر ذرے پر سکونِ فنا بیقرار ہے

مختار ہوں کہ معترفِ جبرِ دوست ہوں
مجبور ہوں کہ یہ بھی کوئی اختیار ہے

اب کس کو اعتبار کہ تو بے وفا نہیں
اب کس کو انتظار مگر انتظار ہے

باقی نہیں کسی کو نشاطِ جنوں کا ہوش
کس جوش پہ شبابِ غمِ روزگار ہے

آدابِ عاشقی کا تقاضا ہے اور بات
تو ورنہ دل کی آڑ میں خود بیقرار ہے

ہوگی کسی کو فرصتِ نظارۂ جمال
فانی خرابِ حسنِ تماشائے یار ہے

○

جلوہ ترا طلسمِ حجاباتِ نور ہے
جو جس قدر قریب ہے اتنا ہی دور ہے

صرفِ دلِ شکستہ نہ کر نشۂ حیات
اب ظرفِ مے کہ یہ پیمانہ چور ہے

تسلیم ہیں مجھے بھی تری بے نیازیاں
یہ کیا کہوں کہ میری تمنا غیور ہے

وہ دیکھ سامنے ہیں نشیب و فرازِ شوق
بڑھ اور دو قدم کہ یہ ایمن و طور ہے

گھٹتا ہی جا رہا ہے گریباں کا فاصلہ
پھر دستِ شوق دامنِ جاناں سے دور ہے

ہر مژدۂ نشاط ہے محروم کر دیا!
ارشاد ہے کہ ہجر میں جینا ضرور ہے

تجدیدِ زندگی تو محابات سے نہیں
فانی مگر یہ ان کی مروت سے دور ہے

○

ہر تصور جلوۂ صورت کا کفر انگیز ہے
خاکِ دل اللہ اکبر کیا ہی کافر خیز ہے

بھر کے ساقی ایک جامِ زہر سے آلودہ لا
یعنی خاکم در دہن آج آتشِ دل تیز ہے

ہوش کا سرمایہ وحشت کے سوا ممکن نہیں
عالم اک مجموعۂ ذراتِ صحرا تیز ہے

تھی شکستِ دل مگر تا حدِ آوازِ شکست
ٹوٹ کر بھی دل طلسمِ شوقِ یاس آمیز ہے

ہے فنا آبادِ غم ایک معنیٔ لفظ آفریں
صورت آبادِ جہاں اک لفظِ معنی خیز ہے

شاید آ پہنچی ہے غم کی آخری منزل قریب
رخشِ ہستی کو جواب ہر سانس اک مہمیز ہے

جلوہ کیا دیکھے کوئی قدرت کسے فرصت کہاں
یاں نقابِ جلوہ خود حسنِ تماشا ریز ہے

گو نہیں جز ترکِ حسرت دردِ ہستی کا علاج
آہ وہ بیمار جو آزردۂ پرہیز ہے

مایۂ ادراکِ ہستی ہو تکلف برطرف
زندگی میری دروغِ مصلحت آمیز ہے

مرگِ فانی کو ہے یا رب آہ اب کیا انتظار
دیر سے پیمانۂ عمرِ وفا لبریز ہے

تو ہی سفر میں پاس ہے تو ہی حضر میں پاس ہے
تو ہی جنوں کا آسرا تو ہی سکوں کی آس ہے

واہ رے شانِ یادِ ذات واہ رے اعتمادِ ذات
غم ہے نہ اب ملال ہے ڈر ہے نہ اب ہراس ہے

وہم و قیاس کے سوا حاصلِ ہوش کچھ نہیں
فہم کی ابتدا ہے وہم عقل کی حد قیاس ہے
ہائے وہ تیرے ذکر میں یہ بھی ہے آرزو کہ کاش
کوئی کہے کہ بزمِ ناز تو جو نہیں اداس ہے
چل تو رہے ہیں سب مگر ہے کوئی منزل آشنا
مدعیانِ آرزو دل بھی کسی کے پاس ہے
جو ہے شہیدِ انتظار جو ہے ترا امیدوار
زیست بھی اس کی زیست ہے تو بھی اسکو راس ہے
حسنِ ستم نواز کی ایک نگاہِ غم نواز
آخر ہزار صبر ہے نازشِ صد سپاس ہے
ترکِ خودی ہے ہوشِ عشق درکِ خودی ہے جوشِ عشق
خود نہ شناس و خود شناس جو ہے خدا شناس ہے
فانیؔ اس انقلاب سے وحشتِ عشق کی پناہ
آہ وہ بزمِ دل جو آج انجمنِ حواس ہے

○

ذرہ ذرہ تربتِ فانیؔ کا شیون جوش ہے
اس صفِ ماتم میں اک شمعِ لحد خاموش ہے
پھیر لے میت کی جانب سے نگاہِ التفات
سینکڑوں شکووں کے نرغے میں لبِ خاموش ہے

وصل ہو یا ہجر دونوں میں مرے مشرب میں کفر
شوقِ وحدت آشنا بیگانۂ آغوش ہے

طور تو ہے ربِّ اَرِنی کہنے والا چاہیے
لن ترانی ہے مگر نا آشنائے گوش ہے

اک طلسمِ فیض ہے سینے میں سوزِ دل کی ذات
بے تکلف ہر نفس ایک شعلہ خس پوش ہے

رازِ آزادی فقط تیرے اسیروں پر کھلا
جو ترے قدموں پہ سر ہے بے نیازِ دوش ہے

زندگی خود کیا ہے فانی یہ تو کیا کہیے مگر
موت کہتے ہیں جسے وہ زندگی کا ہوش ہے

گردشِ ایام فانی شرحِ دورِ شام ہے
صبح کہتے ہیں جسے وہ شام کا پیغام ہے

عہدِ پاکِ عشق میں کل تک ہوس گمنام تھی
آج اس دورِ ہوس میں عاشقی بدنام ہے

آہ اس معمورۂ عالم کی ویرانی نہ پوچھ
ہم ہیں تیری یاد ہے آگے خدا کا نام ہے

آنکھ پھر بھی منتظر ہے دل ہے پھر بھی مضطرب
خاص ہے تیری تمنا اور تماشا عام ہے

وعدۂ معلوم کا فانیؔ کہاں تک انتظار
زندگی کا موت سے پہلے بھی کچھ انجام ہے

○

عیشِ جہاں باعثِ نشاط نہیں ہے
خندۂ تصویر انبساط نہیں ہے
گریہ کے آداب کے حواس ہیں کس کو
ہائے کہ اب تابِ احتیاط نہیں ہے
روح کو کیوں تن سے اختلاط ہے باقی
دہر میں اب رسمِ اختلاط نہیں ہے
طاقتِ دل دے چکی جواب پر اب تک
قوتِ غم زود بہ انحطاط نہیں ہے
اُن کی جفا میں بھی اب وفا کا نہیں رنگ
غیر سے بھی اب وہ ارتباط نہیں ہے
داغ باندازۂ جگر نہیں فانیؔ
نقش باندازۂ بساط نہیں ہے

○

اب لب پہ وہ ہنگامۂ فریاد نہیں ہے
اللہ رے تری یاد کہ کچھ یاد نہیں ہے
آتی ہے صبا سوئے لحد اُن کی گلی سے
شاید مری مٹی ابھی برباد نہیں ہے
اللہ بچائے اثرِ ضبط سے اُن کو
بیداد تو ہے شکوۂ بیداد نہیں ہے
دل خوگرِ اندوہ ہے کیا وصل سے خوش ہو
ہر چند کہ ناشاد نہیں شاد نہیں ہے
اپنی ہی بدولت ہے نشیمن کی خرابی
منت کشِ بیدادیٔ صیاد نہیں ہے
آمادۂ فریاد رہی ہے وہ ستمگر
فریاد کہ اب طاقتِ فریاد نہیں ہے
دنیا میں دیارِ دلِ فانیؔ کے سوا ہائے
کوئی بھی وہ بستی ہے جو آباد نہیں ہے

○

نصیب ہو بھی تو کیا لطفِ وصلِ یار نہیں ہے
سوائے عیش سو تقدیرِ انتظار میں ہے

فلک نے یوں تو جو چاہا کیا ستم تو یہ ہے
شمارِ دل بھی ستم ہائے بے شمار میں ہے

قضا یہ اب ہے مری زندگی کا دار و مدار
سو وہ بھی اُن کی اداؤں کے اختیار میں ہے

عزیزِ خاطرِ فطرت ہے جانِ عبرت ہے
ہر ایک ذرّہ جو اس عالمِ غبار میں ہے

سرشتِ برقِ سحر غیر ہو خدا نہ کرے
وہ اضطراب کہ جانِ امیدوار میں ہے

گناہگار کی حالت ہے رحم کے قابل
غریب کشمکشِ جبر و اختیار میں ہے

حریفِ سوزِ نہاں تو نہیں مگر پھر بھی
بلا کی آگ اس آہِ شرارہ بار میں ہے

ہماری لاش مرقّع ہے بے قراری کا
اک اضطراب کی صورت بھی اس قرار میں ہے

چمن سے رخصتِ فانیؔ قریب ہے شاید
کچھ اب کے بوئے کفن دامنِ بہار میں ہے

○

وفا بیگانۂ رسمِ بیاں ہے
مرادِ دل ہے کسی کی یاد کا نام

خموشی اہلِ دل کی داستاں ہے
محبت میری ہستی کا نشاں ہے

تماشا چاہیے تابِ نظر دے
نگاہِ شوق ہے اور رائیگاں ہے

مسلّم پرسشِ بیمار لیکن
وہ شانِ چارہ فرمائی کہاں ہے

ترا نقشِ قدم ہے ذرّہ ذرّہ
زمیں کہتے ہیں جس کو آسماں ہے

تجلّی دل کی پامالی کہاں تک
تجلّی کارواں در کارواں ہے

مجھی پر ہیں جفائیں چشمِ بد دور
خدا رکھے وہ مجھ پر مہرباں ہے

پھر اب منظور ہے ہنگامۂ برق
پھر اب قصدِ بنائے آشیاں ہے

وہ دل کی آڑ میں رہتے ہیں فانی
تمنّا میرے ان کے درمیاں ہے

○

جینے کی ہے امید نہ مرنے کا یقیں ہے
اب دل کا یہ عالم ہے نہ دنیا ہے نہ دیں ہے

گم ہیں رہِ تسلیم میں طالب بھی طلب بھی
سجدہ ہی درِ یار ہے سجدہ ہی جبیں ہے

کچھ مظہرِ باطن ہوں تو کچھ محرمِ ظاہر
میری ہی نفی وہ ہستی ہے کہ ہے اور نہیں ہے

ایذا کے سوا لذتِ ایذا بھی ملے گی
کیوں جلوہ گہِ ہوش یہاں دل بھی کہیں ہے

مایوس سہی حسرتِ موت ہوں فانی
کس منہ سے کہوں دل میں تمنّا ہی نہیں ہے

٭

ساقی یہ ابھی حاصلِ میخانہ نہیں ہے
پیمانہ بہ اندازۂ پیمانہ نہیں ہے

تم سے کبھی ہو آگاہ پھر اپنی کبھی خبر ہو
دیوانہ تمہارا کوئی دیوانہ نہیں ہے

جل جانے کے انداز کوئی شمع سے سیکھے
پروانہ ہے اور کہنے کو پروانہ نہیں ہے

کہتے ہو کہ دل چپ ہے روداد محبت
افسانہ سمجھتے ہو یہ افسانہ نہیں ہے

کیوں آئے یہاں کوئی تمنا ترے ہوتے
یہ کعبۂ دل ہے کوئی بتخانہ نہیں ہے

اجڑا ہے تو اب یہ کبھی آباد نہ ہوگا
میرا دلِ برباد ہے ویرانہ نہیں ہے

رونے کے کبھی آداب ہوا کرتے ہیں فانیؔ
یہ اُن کی گلی ہے ترا غم خانہ نہیں ہے

ابتدائے عشق ہے لطفِ شباب آنے کو ہے
صبر رخصت ہو رہا ہے اضطراب آنے کو ہے

قبر پر کس شان سے وہ بے نقاب آنے کو ہے
آفتابِ صبحِ محشر ہم رکاب آنے کو ہے

مجھ تک اُس محفل میں پھر جامِ شراب آنے کو ہے
عمرِ رفتہ پلٹی آتی ہے شباب آنے کو ہے
ہائے کیسی کشمکش ہے یاس بھی ہے آس بھی
دم نکل جانے کو ہے خط کا جواب آنے کو ہے
خط کے پرزے نامہ بر کی لاش کے ہمراہ ہیں
کس ڈھٹائی سے مرے خط کا جواب آنے کو ہے
خواب دیکھا ہے کہ میرا نامہ بر مارا گیا
کیوں خدا کیا اب مرے خط کا جواب آنے کو ہے
ناامیدی موت سے کہتی ہے اپنا کام کر
آس کہتی ہے مرے خط کا جواب آنے کو ہے
بھر کے ساقی جام مے اک اور لا اور جلد لا
اُن نشیلی انکھڑیوں میں پھر حجاب آنے کو ہے
خانۂ تصویر میں آنے کو ہے تصویرِ یار
آئینے میں قدِ آدم آفتاب آنے کو ہے
پھر خالی ہونے والے ہیں مرے قاتل کے ہاتھ
پھر زبانِ تیغ پر رنگِ شہاب آنے کو ہے
اب کے سوئے کیا اٹھیں گے فتنۂ محشر سے ہم
صبحِ محشر کے قریب آنکھوں میں خواب آنے کو ہے
گدگداتا ہے تصور چٹکیاں لیتا ہے درد
کیا کسی بے خواب کی آنکھوں میں خواب آنے کو ہے

دیکھیے موت آئے فانی یا کوئی فتنہ اُٹھے
میرے قابو میں دلِ بے صبر و تاب آنے کو ہے

ہر چیز کچھ اور ہے حقیقت
کہنے کو جو میں نہیں وہ تو ہے
کیا سمجھیے سیرِ باغِ عالم
گل پردہ نشینِ رنگ و بو ہے
اللہ رے تری فسوں نوازی
جو دل ہے طلسمِ آرزو ہے

درد کی دنیا بدل جانے کو ہے
دل محبت میں نکل جانے کو ہے
پھر ترا غم کار فرما چاہیے!
پھر طبیعت کچھ سنبھل جانے کو ہے
مختصر کرتا ہوں اب رودادِ شوق
آفتابِ حشر ڈھل جانے کو ہے
کیا تری چشمِ فسوں گر کہہ گئی
پھر تری حسرت مچل جانے کو ہے
فانی اسرارِ غمِ فردا نہ پوچھ
وعدۂ فردا بھی ٹل جانے کو ہے

شکوہ کیا کیجیے نگاہِ یار خود غم دیدہ ہے
کیا تماشا ہے کہ دل کا چور بھی دزدیدہ ہے
اس کی ہستی سے جدا میرا وجود اللہ رے وہم
بلبلہ ہے عینِ دریا پھر بھی دامن چیدہ ہے
مائلِ پرواز ہے مقتل میں خونِ گرمِ دل
آتشِ سیال تھا اب شعلۂ بالیدہ ہے

وقت اتنا کب بقدرِ فرصتِ یک سجدہ ہے
ہم ہیں اور عمرِ ابد اور حسرتِ یک سجدہ ہے
تیری بزمِ ناز میں اس دل کو دیکھا چاہیے
جو زِ سر تا پا خرابِ رخصتِ یک سجدہ ہے
وجہِ پامالی ہی شاید عذرِ گستاخی بھی ہو
سنگِ دل اور سر میں باہم نسبتِ یک سجدہ ہے
حاصلِ خلقت ہے تعمیرِ جبینِ سجدہ ریز
شانِ تکوینِ دو عالم دعوتِ یک سجدہ ہے
جاں فزا ہے شعلہ زارِ سوزِ فرقت کی بہار
اس جہنم کو میسر جنتِ یک سجدہ ہے

قطرہ دریائے آشنائی ہے — کیا تری شانِ کبریائی ہے
تیری مرضی جو دیکھ پائی ہے — خلشِ درد کی بن آئی ہے
وہم کو بھی ترا نشاں نہ ملا — نارسائی سی نارسائی ہے
کون دل ہے جو درد مند نہیں — کیا ترے درد کی خدائی ہے
جلوۂ یار کا بھکاری ہوں — شش جہت کاسۂ گدائی ہے
موت آتی ہے تم نہ آؤ گے — تم نہ آئے تو موت آئی ہے
بچھ گئے راہِ یار میں کانٹے — کس کو عذرِ برہنہ پائی ہے

ترکِ امید بس کی بات نہیں — ورنہ امید کب بر آئی ہے
مژدۂ جنتِ وصال ہے موت — زندگی محشرِ جدائی ہے
آرزو سحر ہے در پئے تدبیر — سعیِ ناکام کی دہائی ہے
موت ہی ساتھ دے تو دے فانیؔ — عمر کو عذرِ بے وفائی ہے

محشر میں عذرِ قتل بھی ہے خوں بہا بھی ہے
وہ اک نگاہ جس میں گلہ بھی حیا بھی ہے

اس درد کا علاج اجل کے سوا بھی ہے!
کیوں چارہ ساز تجھ کو امیدِ شفا بھی ہے

جب عشق ابتدا ہی نہیں انتہا بھی ہے
دل میری زندگی ہی نہیں ہے قضا بھی ہے

اچھا یقیں نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ
اک تو ہی ناخدا نہیں ظالم خدا بھی ہے

اے حدِ ضبطِ درد نہ کر دل سے اب دریغ
اک آہِ بے صدا کہ دعا بھی دوا بھی ہے

سامانِ صد نگاہ ہے ہر ذرّہ خاک کا
لیکن یہ دیکھنا ہے کوئی دیکھتا بھی ہے

ہاں دل میں درد بھی ہے زباں بھی نہیں ہے بند
کس سے کہیں کوئی دلِ درد آشنا بھی ہے

دل اور حکم ضبط سے یا رائے انحراف
پردے میں کوئی دشمنِ اہلِ وفا بھی ہے
فانی سے دل کے ساتھ تقاضا ہے جان کا
ظالم اس ابتدا کی کوئی انتہا بھی ہے

○

دنیا مری بلا جانے مہنگی ہے یا سستی ہے
موت ملے تو مفت نہ لوں ہستی کی کیا ہستی ہے
آبادی بھی دیکھی ہے ویرانے بھی دیکھے ہیں
جو اجڑے اور پھر نہ بسے دل وہ نرالی بستی ہے
خود جو نہ ہونے کا ہو عدم کس کو ہونا کہتے ہیں
نیست نہ ہو تو ہست نہیں یہ ہستی کی کیا ہستی ہے
عجزِ گناہ کے دم تک ہیں عصمتِ کامل کے جلوے
پستی ہے تو بلندی ہے رازِ بلندی پستی ہے
جان سی شے بک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے میں
آگے مرضی گاہک کی ان داموں تو سستی ہے
وحشتِ دل سے پھرنا ہے اپنے خدا سے پھر جانا
دیوانے یہ ہوش نہیں ہے یہ تو ہوش پرستی ہے
جگ سونا ہے تیرے بغیر آنکھوں کا کیا حال ہوا
جب بھی دنیا بستی تھی اب بھی دنیا بستی ہے

آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ امڈا آتا ہے
دل پہ گھٹا سی چھائی ہے کھلتی ہے نہ برستی ہے

دل کا اجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسنا کھیل نہیں بستے بستے بستی ہے

فانیؔ جس میں آنسو کیا دل کے لہو کا کال نہ تھا
ہائے وہ آنکھ اب پانی کی دو بوندوں کو ترستی ہے

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قید حیات — مگر اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے
اثر عشق تغافل بھی ہے بیداد بھی ہے — وہی تقصیر ہے تعزیر بدل جاتی ہے
کہتے کہتے مرا افسانہ گلہ ہوتا ہے — دیکھتے دیکھتے تقدیر بدل جاتی ہے
روز ہے درد محبت کا نرالا انداز — روز دل میں تری تصویر بدل جاتی ہے
گھر میں رہتا ہے ترے دم سے اجالا ہی کچھ اور — مہ و خورشید کی تنویر بدل جاتی ہے
غم نصیبوں میں ہے فانیؔ غم دنیا ہو کہ عشق — دل کی تقدیر سے تدبیر بدل جاتی ہے

طبیعت رفتہ رفتہ غم کی خوگر ہوتی جاتی ہے
جفا کم کر جفا اب روح پرور ہوتی جاتی ہے

مری ہر معصیت ہے مطلع انوار صد رحمت
فضائے دل گناہوں سے منور ہوتی جاتی ہے

خدا چاہے تو اب ایماں پرستی کا رواج اٹھے
وہ چشم سر بسر تسخیر کافر ہوتی جاتی ہے

محبت کا خلش کا دیکھیے انجام کیا ٹھہرے
تکلف برطرف ہر سانس نشتر ہوتی جاتی ہے
زباں حرفِ دعائے مرگ ہے کوئی دعا مانگوں
مری تدبیر بھی میرا مقدر ہوتی جاتی ہے

جبیں صرفِ سجودِ بے جبیں معلوم ہوتی ہے
طبیعت بے نیازِ کفر و دیں معلوم ہوتی ہے
نگاہِ ناز و سوزِ عشق دونوں ایک ہیں لیکن
کہیں ہوتی ہے یہ بجلی کہیں معلوم ہوتی ہے
مٹا ہی جاتا ہے امتیازِ صبر و بے تابی
تمنا اب تمنا آفریں معلوم ہوتی ہے
نہیں معلوم راہِ شوق میں ہے بھی کوئی منزل
جہاں تھک کر نظر ٹھہرے وہیں معلوم ہوتی ہے
بحمداللہ کہ تاثیرِ فغاں بروئے کار آئی
کہ اب ہر آہ آہِ واپسیں معلوم ہوتی ہے
لہو روتا ہوں اس انجام سے غافل کی حالت پر
محبت جس کے دل میں جاگزیں معلوم ہوتی ہے
عجب عالم ہے موجِ برق کے پہلو میں بادل کا
تری الٹی ہوئی سی آستیں معلوم ہوتی ہے

مری ہستی کہ ہے بھی اور نہیں بھی ہے خدا رکھے
ترے پیمانِ باطل کا یقیں معلوم ہوتی ہے
زمینِ حشر فانیؔ کیا قیامت ہے معاذ اللہ
مجھے اپنے وطن کی یہ زمیں معلوم ہوتی ہے

امیدِ التفات کو رسوا نہ کیجیے
لازم نہیں کہ خونِ تمنا نہ کیجیے
شرمندہ وہمِ رشک سے اتنا نہ کیجیے
آئینہ دیکھ کر مجھے دیکھا نہ کیجیے
اندیشہ عیشِ خوابِ لحد کا نہ کیجیے
ہنگامِ نزع وعدۂ فردا نہ کیجیے
دیکھو جو وقتِ پرسشِ جاناں نہ بھول جائیں
ٹھانی تو ہے کہ عرضِ تمنا نہ کیجیے
سرکار پاسِ وضعِ جفا چاہتا ہوں میں
یہ بھی اگر وفا ہے تو اچھا نہ کیجیے
کیا فرض تھی نگاہِ مکرر ازل کے بعد
یہ جان ہے یہ دل ہے تقاضا نہ کیجیے
فانیؔ بلائے مرگ سے غم کیجیے غلط
اب جستجوئے راحتِ دنیا نہ کیجیے

عمر بھر بیدادِ حسنِ امتحاں دیکھا کیے
مہرباں سمجھا کیے نامہرباں دیکھا کیے
ہم تمہیں دیکھا کیے اور رائگاں دیکھا کیے
اک حجابِ بے حجابی درمیاں دیکھا کیے
فتنۂ دوراں کی تہ میں ایک فتنہ اور تھا
آسماں اک اور زیرِ آسماں دیکھا کیے

حسرتِ ان حرماں نصیبوں پر جو ہوش آنے کے بعد
خوابِ آغوشِ قفس میں آشیاں دیکھا کیے

جب قفس میں موسمِ گل کا تصور بندھ گیا
ہر طرف اجڑا ہوا اک آشیاں دیکھا کیے

عشوۂ تاثیرِ ضبطِ شوق میں سمجھا کیا
اور مری چپ کا وہ اندازِ بیاں دیکھا کیے

غم زدوں سے مژدۂ نظارہ کا حاصل نہ پوچھ
بزمِ دشمن میں نگاہِ رازداں دیکھا کیے

اٹھ گیا پہلی نگاہوں میں حجابِ حسن و عشق
ہر نظر کہتی ہے کیا کہیے کہاں دیکھا کیے

موت کی حسرت بھی کیا شے ہے کہ فانیؔ عمر بھر
ہم جفائے ہر بلائے ناگہاں دیکھا کیے

○

کارواں گزرا کیا ہم رہ گزر دیکھا کیے
ہر قدم پر نقشِ پائے راہ بر دیکھا کیے

ترکِ بیداد آہ اک تمہید تھی بیداد کی
دل جلا کر میرے نالوں کا اثر دیکھا کیے

دردمندانِ وفا کی ہائے رے مجبوریاں
دردِ دل دیکھا نہ جاتا تھا مگر دیکھا کیے

یاس جب چھائی امیدیں ہاتھ مل کر رہ گئیں
دل کی نبضیں چھٹ گئیں اور چارہ گر دیکھا کیے

رخ مری جانب نگاہِ لطف دشمن کی طرف
یوں ادھر دیکھا کیے گویا اُدھر دیکھا کیے

تو کہاں تھی اے اجل اے نامرادوں کی مراد
مرنے والے راہ تیری عمر بھر دیکھا کیے

زیست تھی فانی بقدرِ فرصتِ تمہیدِ شوق
عمر بھر ہم پرتوِ نورِ بشر دیکھا کیے

دشمنِ جاں تھے تو جانِ مدعا کیوں ہو گئے
تم کسی کی زندگی کا آسرا کیوں ہو گئے

کچھ نہ کہنا وہ کسی مجبورِ خاموشی کا ہائے
وہ جتانے پر ترا کہنا خفا کیوں ہو گئے

تو مرے دل کی نہ سن یہ آئینہ ہے اس سے پوچھ
تیرے صورت آشنا درد آشنا کیوں ہو گئے

کیا تمھیں اندازۂ دردِ محبت ہو گیا
چشم بد دور اب ستم حد سے سوا کیوں ہو گئے

دل کی صورت آ کے پہلو سے تمھیں جانا نہ تھا
اور گئے ہی تھے تو جانِ بے وفا کیوں ہو گئے

کیا سنانا چاہتا ہے اے فریبِ التفات
خیر ہے سب آج مطلب آشنا کیوں ہو گئے
اور فانی بڑھ گئی بیتابیٔ دل بعدِ مرگ
کیا کہیں مر کر گرفتارِ بلا کیوں ہو گئے

○

اک فسانہ سن گئے اِک کہہ گئے
میں جو رویا مسکرا کر رہ گئے!
یا ترے محتاج ہیں اے خونِ دل
یا انھیں آنکھوں سے دریا بہہ گئے
موت ان کا منہ ہی تکتی رہ گئی
جو تری فرقت کے صدمے سہہ گئے
تو سلامت ہے تو ہم اے دردِ دل
مر ہی جائیں گے جو جیتے رہ گئے
پھر کسی کی یاد نے تڑپا دیا
پھر کلیجہ تھام کر ہم رہ گئے
اٹھ گئے دنیا سے فانی اہلِ ذوق
ایک ہم مرنے کو زندہ رہ گئے

○

پھر پارہائے دل پہ چھڑک دیجیے نمک
پھر کوئی چھیڑ زخمِ جگر سے نکالیے
غم وہ بلا نہیں جسے دم دے کے ٹال دوں
سودا یہ وہ نہیں جسے سر سے نکالیے
تاکیدِ ضبط ہے تہِ داماں نہ روئیے
مر جائیے نہ آہ جگر سے نکالیے

⁂

زندگی کی ہر خلش ہے یادِ جاناں کے لیے
ہر نفس اک آڑ ہے اس رنجِ پنہاں کے لیے

اشکِ رنگیں کے سوا ہے خونِ دل بھی نذرِ دوست
ان میں جو درکار ہو تزئینِ داماں کے لیے

موج کیا گرداب کیا کیوں کسی کا نام لوں
خود سفینہ ہی مرا دعوت ہے طوفاں کے لیے

کم ہے ذرے سے بھی یہ سارا انتظامِ کائنات
دل کی وسعت چاہیے تھی چشمِ حیراں کے لیے

ایک مرگِ عاشقی اور لاکھ سامانِ حیات
لاکھ غم تھے اک حیاتِ مرگ ساماں کے لیے

پھر سوا گورِ غریباں میں بگولوں کا ہجوم
خاکِ دل اٹھتی ہے تنظیمِ بیاباں کے لیے

پھر مذاقِ اہلِ دانش چاہتا ہے انقلاب
پھر مری وحشت نے بوسے بابِ زنداں کے لیے

دل کی یہ شوریدگی شب ہائے غم اتنی دراز
اہتمام اتنے تری زلفِ پریشاں کے لیے

دین و دل فانی گنوائے بھی تو ناداں اس طرح
دشمنِ ایماں کی خاطر دشمنِ جاں کے لیے

ذوقِ وحشت تو بہ نو زنداں بہ زنداں چاہیے
جب گلستاں چاہیے تھا اب بیاباں چاہیے

دل لہو کر دے وہ ضبطِ رنج پنہاں چاہیے
ہر لہو کی بوند لیکن رہنِ طوفاں چاہیے

جوشِ جذبِ آرزو بے قیدِ امکاں چاہیے
ہجرِ جاناں کیا بلا ہے یادِ جاناں چاہیے

وہ تری عہدِ کرم کی فتنہ سامانی سہی
میری بربادی کو آخر کوئی ساماں چاہیے

اس نورِ مجسم کے افسانے کو کیا کہیے
ہے شمع کبھی پروانہ، پروانے کو کیا کہیے

ہر در سے ترے طالب ناکام پلٹ آئے
کعبے میں ہے سناٹا بت خانے کو کیا کہیے

کچھ کھیل نہ تھا یوں بھی پروانے کا جل بجھنا
جل کر نہ بجھے ایسے پروانے کو کیا کہیے

آغاز کبھی تو جس کا انجام کبھی تو جس کا
اُس دردِ محبّت کے افسانے کو کیا کہیے

آبادی کی آبادی ویرانے کا ویرانہ
ارمان بھرے دل کے کاشانے کو کیا کہیے

اُجڑی ہوئی آنکھوں میں رونق ترے دم سے تھی
ویران ہے ہر بستی ویرانے کو کیا کہیے

کس نے اسے دیکھا ہے اے حسرتِ نظارہ
فانیؔ تو ہے دیوانہ دیوانے کو کیا کہیے

○

مجبورِ شکایت ہوں تاثیر کو کیا کہیے
تدبیر مقدر تھی تقدیر کو کیا کہیے

فردوس بداماں ہے ہر نقشِ خیال ان کا
یہ شانِ تصور ہے تصویر کو کیا کہیے

وابستۂ صد حسرت بے واسطۂ دل ہوں
اپنا ہی میں زنداں ہوں زنجیر کو کیا کہیے

وہ برق کی یورش ہے ہر شاخ میں لرزش ہے
ایسے میں نشیمن کی تعمیر کو کیا کہیے

سنتے ہیں حجاب ان کا عرفانِ تمنا ہے
اب حرفِ تمنا کی تعبیر کو کیا کہیے

یارب تری رحمت سے مایوس نہیں فانیؔ
لیکن تری رحمت کی تاخیر کو کیا کہیے

○

کہتے ہیں ذرا پھر سے افسانۂ غم کہیے
اس حسنِ تجاہل کو کس طرح کرم کہیے

غم اس کی امانت ہے انعامِ محبت ہے
بیگانگیٔ غم کو محرومیٔ غم کہیے
تھوڑی بھی بہت ہو گی فرصت ہی ملی سن لینا
یہ دل کی کہانی ہے کیا کہیے جو کم کہیے

عہدِ جوانی اور پھر دل میں اُن کی محبت کیا کہیے
دیوانے کا خواب اور وہ بھی خوابِ قیامت کیا کہیے
حرفِ تمنا بے معنیٰ سا نقشِ وفا سو دھندلا سا
دل کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے دل کی حقیقت کیا کہیے
حشر بھی گزرا حشر میں بھی یہ سوچ کے ہم نے کچھ نہ کہا
غم کی حکایت کون سنے گا غم کی حکایت کیا کہیے
وہ نہ سہی معذور مگر کچھ ہمتِ عرضِ حال تو ہو
شکر کیے بھی بن نہیں پڑتا حرفِ شکایت کیا کہیے
ایک غلط اندازِ نظر سے دل کی تباہی سہل نہ تھی
درد سے مل کر تو نے لٹا دی صبر کی دولت کیا کہیے
مرگِ محبت سے فانی تکمیلِ وفا ہم کیا کرتے
ہم نے جینے سے ہی نہ پائی اب تک فرصت کیا کہیے

○

آٹھ پہر کی یہ بے چینی یہ بیتابی کیا کہیے
حد سے گزری دل کی خرابی دل کی خرابی کیا کہیے

تم کیا جانو کیا شے ہے طوفانِ سرشکِ خونیں کا
تم نے چھلکتے ہی نہیں دیکھی دل کی گلابی کیا کہیے

ہائے وہ پہلی نظروں میں ہر موزِ محبت جانا
تجربے پا یانِ محبت کی پا یابی کیا کہیے

اگلے برس کے پھولوں کا کیا حشر انھیں معلوم نہیں
کلیوں کا یہ طرزِ تبسم یہ شادابی کیا کہیے

ہوش جنھیں دل بن کر آیا ان کی تڑپ کا کیا کہنا
غم نے جنھیں بیدار کیا ان کی بے خوابی کیا کہیے

کتنے فتنے جمع کیے ہیں ان کی ایک جوانی نے
چال قیامت کافر نظریں آنکھ شرابی کیا کہیے

خاکِ وطن ہی راس نہ آئی غربت تو پھر غربت ہے
فانی اپنی خانہ بدوشی خانہ خرابی کیا کہیے

٠—؛——؛——؛—٠

غزلیاتِ فارسی

ساقی خُمے از بادۂ دوشینہ چہ جام است
زخمے است مرا در دل و مرہم حرام است

خُونم ہدر، انگار کہ قاتل نہ شناسم
دانم کہ ادائیست و ندانم کہ کدام است

از جلوتیاں، لذتِ عیش نگہے پُرس
بر خلوتیاں فرصتِ نظارہ حرام است

دم درکش و دل خوں کن و ہر قطرہ حوس آر
از نالہ مجو کام کہ ایں شیوۂ عام است

در مسلکِ ما لغزشِ پا خضرِ طریق است
از میکدہ تا کعبۂ کویش دو سہ گام است

نازم چمنے را کہ نیازم بہ قفس است
ہر غنچہ کہ دل می کشدم حلقۂ دام است

فانی زِ حیاتِ من آشفتہ چہ پرسند
مرگیست کہ از ہستئ جاوید پیام است

○

ز حُسن و عشق چو گویند داستانِ من است
غمِ تو جانِ من است و وفا جهانِ من است

شرار برق کجائی که گوشۂ قفسم
به التفاتِ تو آزرد که آشیانِ من است

نیافتم ز حریمش نشان و نوبتِ کار
به دل رسید و همان سنگِ آستانِ من است

ز حدِ خویش گزشتن بجدِ خویشم بُرد
هر آں نشاں که به دانش و هم نشانِ من است

ز لطفِ دوست مرا نیمہ نگاہ بس است
متاعِ خلد بجویم که رائیگانِ من است

به غربتم که بہر قریہ ام وطن پیدا است
بہر زمیں که شدم زیرِ آسمانِ من است

به رنج خستگیم بخش و از گناہ مپرس
بگو که قاآنی عاصی ز خستگانِ من است

○

خاکِ پائے بندگانِ درگہِ عشقیم ما
ہر کجا صیدے به دامِ اوست صیادِ من است

می ندانم تا به محشر اعتبارِ سجدہ چیست
ایں قدر دانم که ہیچ است جبینِ زادِ من است

○

افشاندنِ جاں جز بحضورِ تو روا نیست
در عہدِ غمِ ہجرِ تو آئینِ فنا نیست
نازم بجمالِ تو کہ برق است و بلا نیست
سازم بہ غمِ عشق کہ درد است و دوا نیست
غیب است شہودم ز دیارِ دگر استم
عالَمِ عدمِ ماست کہ از عالمِ ما نیست
کونین بجا عرضۂ نمود تر و ندیدیم
آغوشِ فضائے کہ بہ سودائے تو آ نیست
ناخواستہ جاں بخشی و ناداده ستانی
فارغ زِ نعیم و حاجت بہ دعا نیست
بگزار قفس را کہ بہ پرواز در آید
دارم سخنے با گل و زا ہم بہ صبا نیست
خواہانِ کرم نیست پرستارِ کریم است
فانی بہ درت ناصیہ فرساست گدا نیست

○

نور ز صبحِ وصال بختِ سیاہم ربود
جلوۂ ناگاہِ دوست تابِ نگاہم ربود
برقِ جمالش ز دل صبر بہ تاراج بود
آنچہ از و باز ماند شعلۂ آہم ربود

شکوهٔ بختم چه است کامِ دلم چون دهد
ناشده شامِ وصال بیم پگاهم ربود

محرمِ راز است و هم رفتهٔ راز است دل
کاه رُبا بودم و هستیٔ کاهم ربود

خیرِ عمل را مسنج باز به سعیم به بخش
عزمِ حرم داشتم دیر ز راهم ربود

از دلِ فانی چه گفت گفت که ما برده‌ایم
باز ز جان گفتمش گفت که خواهم ربود

○

فتنهٔ عشق بدلها سر زد
حسنِ عالم به تماشا ارزد

طالعم گردشِ افلاک بسوخت
اخترِ ما رهِ صد اختر زد

غمِ او خونِ دل از اشکم ریخت
نشتر آورد و رگِ گوهر زد

عندلیبی که نوالش دادند
به هوائے چمنِ ما پر زد

مغفرت حیله تقاضا می‌کرد
جنبشِ قرعه به جیبم تر زد

شررِ عشق که شعرش نامند
ز دلم جست و به جانها در زد

فانی از دیر و حرم هم بگسست
دوش دیدم که درِ دیگر زد

○

باز خاطرِ شادم تلخیٔ غم از من بپرس
حرفِ عیش بر بادم شوخیٔ رم زمن بپرس

خامہ را زباں ہستم لوح را نشاں ہستم
حرفِ کن فکاں ہستم راز عالم از من پرس
محرمِ مشاہم من نکتہ دانِ عالم من
روحِ ہم از من جو خلد را ہم از من پرس
نعمتے ست عیش اما نعمتے و پایانے!
نعمتے است بے پایاں لذتِ غم از من پرس
حسنِ بے تماشا را عشوہ ہا تو میدانی
چشمِ بے تماشا را اشکِ پیہم از من پرس

○

بے خبر از تو جو اغیار نے ساختہ ام
سخنے ساختہ اند و سخنے ساختہ ام
حسن یک پرتوِ عشقے است کہ از ما خیزد
صنمے ساختہ ام بر ہمنے ساختہ ام
دہر خلوت گو اسرار نہاں نیست ولے
از پئے دفعِ نظر انجمنے ساختہ ام
نقش ہا بستہ ام از خونِ شہیداں بہ چمن
ورق لالہ نہ خونیں کفنے ساختہ ام
گنہے کردہ ام و عذرِ گنہ می بالیست
حیلہ پرداختہ ام رہبرنے ساختہ ام

دل بہ ایمائے نظر جلوہ معیّن می خواست
کردہ ام طرحِ زمین و زمنے ساختہ ام
ایں خطائیست کہ عفوم نکنندش فآنی
کہ من از خاکِ بدایوں وطنے ساختہ ام

○

بروئے رشک شرحِ عذر بے نوشتہ ایم
راز لیست آتشے کہ بے آبے نوشتہ ایم
ایں فتنۂ جمال کہ گویند عالمے ست
فصلے ز اعتبارِ حجابے نوشتہ ایم
یارب بہ نامۂ محکم خوردہ مگیر
فرہنگِ حرفِ ہوش بہ خوابے نوشتہ ایم
مُہرِ فنا بہ لب زدم و دیدہ دوختم
آدابِ انتظارِ جوابے نوشتہ ایم
از راحتِ زمانہ جراحت عبارتست
آبے نوشتہ اند و سرابے نوشتہ ایم
داغے بہ دل سپردم و دوزخ بہ جانِ داغ
تاریخِ روزگارِ شبابے نوشتہ ایم
فآنی دریں صحیفۂ امکاں بنامِ تو
ہر جا کہ ہست خانہ خرابے نوشتہ ایم

○

دل را به نیم جنبشِ مژگان فروختیم
دیوانه مفتِ لنت که ارزان فروختیم
از ما حدیثِ گرمیِ بازارِ گل مپرس
جیبی که داشتیم بدامان فروختیم
از آنِ ماست بی سر و سامانیی که هست
سامان به عشقِ بی سر و سامان فروختیم

○

حیف است در فراقِ تو مسرور زیستن
آوخ به یادِ چشمِ تو مخمور زیستن
از بختِ واژگون به دل و دیده ام رسد
با مژدهٔ وصالِ تو مهجور زیستن
از ما هر آنچه رفت نه از ما بود که بود
معذورِ عارفانِ تو مجبور زیستن
در ها کشوده ای به من از فقر و از غنا
باید شاد مردن و رنجور زیستن
کج کن کلاهِ خسرویِ دل به رغمِ هوش
سهل است همچو قیصر و فغفور زیستن
از ما جو نشان ز سرور و سرور هوش
از ما مخواه زیستن و زور زیستن

نازم بتکیہ کردنِ فانی بہ لطفِ دوست
اے وا غیورِ مردن و مغرور زیستن

○

یارب صلۂ رنجِ فراوانم کو
تعبیرِ حیاتِ خواب سامانم کو
کو جلوہ کہ جاں نذرِ بقائے تو کنم
قربانِ تو عید عید قربانم کو

○

دلے دارم بہ خوں غلطیدۂ از جورِ بے نامے
خود آرائے و خود بینے خداوندے و خود کامے
بہ ذکرش صبحِ ما مینا بہ فکرش شامِ ما ایمن
مرا صبحیت ہم شامے خوشا صبحے خوشا شامے
بہ عنوانِ نفس رنجے ز غیبم می رسد اما
بہ ہر فرمانِ غیبم می رسد از دوست پیغامے
قفس پروردۂ و نا آشنائے آشیانستم
بہ مرغانِ چمن ارد و صلائے دانہ و دامے
خرابِ لطف و ہنگامیم آہ از حالِ ما فانی
کرم وابستۂ لطفش اجل موقوفِ ہنگامے

تضمین

بر غزل حضرت امیر مینائی مرحوم

انکھوں سے جو منہ کو دھو رہے ہیں   قسمت کو اپنی رو رہے ہیں
اوقاتِ وصال کھو رہے ہیں   ہم لوٹتے ہیں وہ سو رہے ہیں
کیا ناز و نیاز ہو رہے ہیں

تنہا ہجر میں جان کھو رہے ہیں   وہ عیش کی نیند سو رہے ہیں
چلنے کو ہیں چار ڈو رہے ہیں   کیا رنگ جہاں میں ہو رہے ہیں
دو ہنستے ہیں چار رو رہے ہیں

تھی جن سے امیدِ دستگیری   مشکل ہے اب ان سے جاں بری بھی
اب کیجیے شکایت آہ کس کی   فریاد کہ ناخدائے کشتی
کشتی کو مری ڈبو رہے ہیں

کیا کہیے فسانۂ محبت   ہے عشقِ جفا شعار آفت
اس خانہ خراب کی بدولت   پہنچی ہے ہماری اب یہ حالت
جو ہنستے تھے وہ بھی رو رہے ہیں

بھول جائیں گے کیا ستانے والے   جل جائیں گے خود جلانے والے
دکھ پائیں گے دل دکھانے والے   روئیں گے ہمیں رلانے والے
ڈوبیں گے وہ جو ڈبو رہے ہیں

عصیاں کا ہے سر پہ بار افسوس   پر کچھ نہیں فکرِ کار افسوس

اب تک نہیں ہوشیار افسوس — پیری میں بھی ہم ہزار افسوس
بچپن کی نیند سو رہے ہیں

گو لاکھ جفائیں ہوں ادھر سے — نکلے نہ صدائے اف جگر سے
لازم نہیں ابرِ اشک برسے — پوچھے کوئی دیدہائے تر سے
کیوں نام وفا ڈبو رہے ہیں

سفاک، ستم شعار، قاتل — ہو کیوں نہ نباہ سخت مشکل
اول تو وہ چھین لے گئے دل — دل چھین کے سو گئے ہیں غافل
فتنے وہ جگا کے سو رہے ہیں

فانی یہ تو خدا ہی جانے — کیا دل پہ گزرتے ہوں گے صدمے
اکثر دیکھا مگر ہم نے — زانو پہ امیر سر کو رکھے
پہروں گزر گئے کہ رو رہے ہیں

مخمس

در صنعت توشیح بہ رعایت نام محمد عظمت علی حسرت لکھنوی

مزارِ فانیٔ مرحوم آج کیا دیکھا — حباب ورطۂ دریا سے آشنا دیکھا
مسافر ایک سرِ منزل شکستہ پا دیکھا — دیارِ عمر کو معمورۂ فنا دیکھا
عجیب رنگ طلسماتِ خاک کا دیکھا

ظہورِ ہستی کو تمہیدِ بے خودی پایا — مآلِ غایتِ آغازِ زندگی پایا

تلاشِ عیش کو فی الجملہ گر ہی پایا　　عروج ہو کہ تنزل گزشتنی پایا
لباسِ دہر کو فرسودۂ فنا دیکھا
یہ کیا ہے جو نظر آتا ہے آہ کیا کہیے　　حجاب دیدۂ خود بیں و خود نما کہیے
سراب جانیے دھوکا نگاہ کا کہیے　　رموزِ ہستیِٔ دنیا جو سب ملا کہیے
تو ہم نے ساری خدائی کو بے بقا دیکھا

قصائد

قصیدہ (ترکیب بند) دہلی کالج کے پرنسپل کو الہ آباد یونیورسٹی کا فیلو بنائے جانے کی تقریب میں ۱۸۹۸ء میں لکھا گیا

سنتے ہیں گلشن میں پھر فصلِ بہار آنے کو ہے
پھر ہزار انداز سے بانگِ ہزار آنے کو ہے
پھر نئی کلیاں گلابی رنگ کی کھلنے کو ہیں
آنکھ میں نرگس کی پھر ہلکا خمار آنے کو ہے
پھر کریں گی قمریاں گلشن میں کو کو ہر طرف
پھر نئی رونق پہ سروِ جوئبار آنے کو ہے
پھر ہرے ہو جائیں گے پژمردہ اشجارِ چمن
سوکھی سوکھی ڈالیوں میں برگ و بار آنے کو ہے
پھر دکھانے کو ہے نرگس چشمِ آہو کی چبھن
غنچہ بن کر نافۂ مشکِ تتار آنے کو ہے

پھر قبائے سبزہ پہنیں گے جوانانِ چمن
کبک پھر مستانہ سوئے کوہسار آنے کو ہے
پھر کسی کے لب سے مل جائے گا رنگِ رگِ گل
پھر چنبیلی کی مہک سے بوئے یار آنے کو ہے
پھر وہی صیاد و بلبل میں رہے گی تاک جھانک
پھر تلاشِ گل میں گلچیں بار بار آنے کو ہے
پھر پڑیں گی پتیوں پر ہلکی ہلکی بوندیاں
پھر گھٹا گھر گھر کے سوئے سبزہ زار آنے کو ہے

جوشِ نازو باغباں بر فرقِ تختِ گلستاں
خسروِ گل جلوہ آرا شد بہ تختِ گلستاں

تھی دعا اپنی کبھی مدت سے کہ اب کے اے خدا
موسمِ گل آئے گلشن میں نرالے رنگ کا
اس قدر پھولوں کی کثرت ہو کہ بھر جائیں چمن
اتنی کلیاں ہوں کہ تھک جائے کھلانے سے صبا
مرحبا اے بخت آ پہنچی چمن میں فصلِ گل
فضلِ حق سے کر گئی تاثیر اپنی التجا
کوئی کیا جانے کہ تھی اپنی دعا سے کیا غرض
کوئی کیا سمجھے کہ مطلب فصلِ گل سے ہم کو کیا
شام کو گل گشتِ گلشن کچھ نہ تھا مدِّ نظر
بھینی بھینی بوئے گل کا سونگھنا مقصد نہ تھا

آرزو یہ تھی کہ لائیں باغ سے چن چن کے پھول
سب ملا کر اک گلدستہ بنائیں خوشنما
میز پر یا طاق پر رکھنے کا گلدستہ نہ ہو
جس کی سج دھج چار دن کی رنگ جس کا بے بقا
ظاہری گلدستۂ ریحان و گل مقصد نہیں
بلکہ اک گلدستۂ معنی ہے دل کا مدعا
نذر دیں گے ہم یہ گلدستہ اگر کرلے قبول
ماہر علم و ہنر "کیری" مہ اوج و ذکا
آں کہ ذاتِ اوست در کالج چہ خور بر آسماں
چوں گہر در قعرِ یم چوں لعل در کانِ یماں
کیوں نہ اس کالج کو فخر اپنے مقدر پر رہے
جس میں اک تجھ سا پرنسپل کرم گستر رہے
کرلیا گھر سب کے دل میں تیری خوئے نیک نے
مدح گو تیرے ہمیشہ سب پروفیسر رہے
خلقِ صافی اک طرف ہے علم دانی اک طرف
تیرا شاکی کوئی اسٹوڈنٹ پھر کیوں کر رہے
دم میں دم باقی ہے جب تک دل سے مٹ سکتے نہیں
تیرے احسانات نقش کالحجر ہو کر رہے
منزلت فیلو کی ہو تیری نظر میں کس طرح
فخرِ یونیورسٹی یہ ہے کہ تو ممبر رہے

گر عنایت ہو تری ادنیٰ سے اسٹوڈنٹ پر
وہ کبھی فیلو آف یونیورسٹی ہو کر رہے

جام ہو جب تک الٰہی بزمِ جم کی یادگار
آئینہ جب تک چراغِ گورِ اسکندر رہے

جائے مغرب کی طرف مشرق سے جبتک آفتاب
چرخ کے پاؤں میں جب تک رات دن چکر رہے

شوکتِ خورشید کا دن میں رہے جب تک عمل
رات میں جب تک مسلّم عظمتِ اختر رہے

دشمنانت پائمال و سرنگوں و خوار باد
دائماً اقبال و سال و فالِ نیکت یار باد

قصیدہ

در مدح بندگان اعلیحضرت شمس الملۃ والدین سلطان العلوم حضور پر نور آصف سابع فرماں روائے دکن و برار خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

شاہِ عثماں آصفِ سابع امیر المومنیں
سچ تو یہ ہے آبروئے ملک و ملت تجھ سے ہے

تو ہے سلطان المعانی تو ہے سلطان العلوم
علم کی زینت ادب کی قدر و قیمت تجھ سے ہے

غیرتِ بغداد و رشکِ قرطبہ ہے آج کل
وہ دکن سارے جہاں میں جسکی شہرت تجھ سے ہے

تیرے دم سے آج بھی روشن ہے حکمت کا چراغ
آج بھی آباد بزمِ اہلِ ہمّت تجھ سے ہے
گو ہماری پستیاں دنیا میں ہیں ضرب المثل
پھر بھی اپنی پستیوں میں شانِ رفعت تجھ سے ہے
حیف اُن پر جو ترے دامن سے وابستہ نہیں
وہ مبارک ہستیں ہیں جن کو نسبت تجھ سے ہے
کس کے دل میں درد ہے اربابِ علم و فضل کا
ملک میں اہلِ ہنر کی عزّت تجھ سے ہے
جو ہوا ہی چاہتی تھی کل حوادث کا شکار
اس زباں میں اب زباں بننے کی قدرت تجھ سے ہے
اللہ اللہ یہ ترا ایثار یہ غم خواریاں
مختصر یہ ہے کہ آج انسان عبارت تجھ سے ہے
ہے ترا حامی خدا حامی ہے تو مخلوق کا
تو سلامت رہ کہ آن اپنی سلامت تجھ سے ہے
تو سراپا فیض ہے عالم ہے دلدادہ ترا
ایک فانی کیا زمانے کو عقیدت تجھ سے ہے

دیگر

اے فلک تو ہی کامیاب سہی　　میری حالت بہت خراب سہی

نہ سہی زندگی حریفِ نشاط | میری ہر سانس اک عذاب سہی
میری نظریں بغیر ذوقِ نظر | میری آنکھیں بغیر خواب سہی
سر میں اک شورشِ تلاشِ قرار | دل میں اک جوشِ اضطراب سہی
میری ہر سعی سعیٔ نامشکور | میری ہر بات ناصواب سہی
نہ سہی التفات کے قابل | میں سزاوارِ اجتناب سہی
ننگِ ہستی وجود ہو جس کا | میں ہی وہ خانماں خراب سہی
جس سے دنیا ہو بے سبب بیزار | میں ہی وہ درخورِ عتاب سہی
نہ سہی میری بے کسی کا جواب | آپ اپنا ہی میں جواب سہی
تا نہ پاؤں سکون یک ساعت | ہر نفس صرفِ انقلاب سہی
تا نہ بیٹھوں کسی جگہ تھک کر | ذرے ذرے کو اضطراب سہی
میری محرومیاں سخن کوتاہ | بے شمار اور بے حساب سہی
کچھ سہی مغتنم ہے میری ذات | لاکھ رسوا سہی خراب سہی
کوئی پوچھے یہ ناز کیوں ہے تو پھر | یہ حقیقت بھی بے نقاب سہی

بندۂ بارگاہِ عثماں ہوں
ذرۂ خاکِ راہِ عثماں ہوں

شاہِ ذی جاہ شہریارِ دکن | صاحبِ تاج تاجدارِ دکن
آصفِ سابع و نظام الملک | کارفرمائے روزگارِ دکن
تو ہے سلطانِ ذی وقارِ علوم | تو خداوندِ اقتدارِ دکن
تیرے دم سے ہے بزمِ عیش آباد | تیری ہستی ہے اعتبارِ دکن

تو ہے سرچشمۂ ہزار اعزاز — تو ہے سرمایۂ بہار دکن
تیری تقدیر ساز گار مراد — تیری تدبیر سازگار دکن
چشم بد دور مرجعِ آفاق — نازشِ ہند و افتخار دکن
تیری ایک ایک بات اک اک کام — مژدہ رحمت و قرار دکن
جن مراعات کی نظیر نہیں — وہ مراعات ہیں بہ کار دکن
تو نے کایا ہی کچھ پلٹ دی ہے — چمنستان ہے کوہسار دکن
ہیں تری سرفرازیوں کے گواہ — قصر و ایوانِ زر نگار دکن
جم گئی جس طرف نگاہ گئی — عینِ منزل ہے رہ گزار دکن
شاہ عثماں تجھے مبارک ہو — وسعتِ دولتِ دیار دکن
فیض جاری ترا شعار رہے — جاں نثاری رہے شعار دکن

مجھ کو نسبت تری جناب سے ہو
وہ جو ذرے کو آفتاب سے ہو

نظمیں

حمد باری سبحانہ

غیر منقوط

حمد داورِ ہر دو عالم کو — مرسلِ مرسلِ مکرم کو
مصدرِ لا الٰہ اِلّا اللہ — ملہم احمد رسول اللہ

حاصل واصل ہر حصول و اصول
محرم سرِ سائل و مسئول

حاکم امر تحمد و مطرود
عالمِ علم ملحد و محمود

داورِ دورِ کرّۂ دوّار
مالک الملک عالم الاسرار

اے خدائے جلیل بندہ نواز
ذوالمنن و بے نیاز و بے انباز

مدعائے سخن ہے بات تری
برترین ذوات ذات تری

وحدہٗ لاشریک و بے ہمتا
تجھ سے رب ہیں کوئی نہیں تجھ سا

کارپرداز بے ہمال ہے تو
اپنی بس آپ ہی مثال ہے تو

عالم الغیب ہے خبیر ہے تو
سب پہ قادر ہے تو قدیر ہے تو

ہے تو ہی دادرس غریبوں کا
تو ہی فریادرس غریبوں کا

ذات تیری غنی کریم ہے تو
ہادیٔ راہِ مستقیم ہے تو

خاک میں نور کا ظہور کیا
قلب کو جلوہ گاہِ طور کیا

ہو ادا حقِ معرفت کیونکر کیا
مَا عَرَفْنَاکَ جب نبیؐ نے کہا

تو نے روشن چراغِ عقل کیا
تو نے سرسبز باغِ عقل کیا

ہے تری ذات بے چگون و چرا
کچھ نہیں جائے دخل چون و چرا

نہ بدایت نہ انتہا تجھ کو
سب فنا کے لیے بقا تجھ کو

تیری بو تیرا رنگ ہر گل میں
تیری تسبیح شورِ بلبل میں

دل میں لالے کے داغ ہے تیرا
اور کف میں ایاغ ہے تیرا

تو نے کیا کیا دیا ہے کس کس کو — زلف سنبل کو چشم نرگس کو
گل کو عارض زبان سوسن کو — قد دیا تو نے سرو گلشن کو
برق کو تیز گام تو نے کیا — کبک کو خوش خرام تو نے کیا
چشمۂ مہر میں ضیا تیری — روضۂ دہر میں فضا تیری
آگ باغ و بہار کی تو نے — کشتیٔ نوح پار کی تو نے
لب معجز نمائے عیسےٰ ہو — ید بیضا عصائے موسےٰ ہو
کچھ بھی ہو سب تری عنایت تھی — میرے مولا یہ تیری رحمت تھی
تیرے فضل و کرم کی غایت کیا — تیرے الطاف کی نہایت کیا
ہے سراسر یہ لطفِ عام ترا — الرحم الرّاحمین ہے نام ترا
کوہ و دریا کا تجھ سے دامن پُر — معدنِ لعل یہ وہ مخزنِ دُر
کیا کہوں میں نے تجھ کو کیا جانا — بس یہ جانا کہ کچھ نہ پہچانا
بد کا رازق ہے یارِ نیک ہے تو — سو کی یہ ایک ہے کہ ایک ہے تو
بحرِ رحمت کو جوش آئے اگر — ابر برسائے جا بجائے آب گہر
دُر سے خالی کوئی صدف نہ رہے — سنگ بے لعل کو شرف نہ رہے
مشک بن جائے تودہ تودہ گل — غیرتِ خور ہو ذرہ ذرہ گل
چہچہا اٹھے بلبلِ تصویر — اور مہکنے لگے گلِ تصویر

علم

اے علم تیری ذات سے دنیا کا بھلا ہے
دنیا ہی نہیں دین کی بھی تجھ پہ بنا ہے

تو جس کے نہیں پاس وہ انسان نہیں ہے
انساں کو شرف علم سے خالق نے دیا ہے
تو جس کا معین اس کا زمانہ بھی ہے ساتھی
تو جس سے خفا اس سے زمانہ بھی خفا ہے
تو وہ ہے خزانہ کہ جسے تو نہیں حاصل
گر شاہِ زماں بھی ہے تو مفلس ہے گدا ہے
چرچا نہیں جس گھر میں ترا دشت سے بدتر
جس دل میں نہیں تو وہ درندوں کی غذا ہے
ہیں اشرفِ مخلوق یہ تیری ہی بدولت
انسانوں میں کیا ورنہ بہائم سے سوا ہے
ہے شش جہتِ دہر میں تیری ہی ترقی
آواز ترا چار طرف گونج رہا ہے
کھویا نہیں جس نے تجھے جس وقت بھی پایا
بھولا نہیں جس نے کہ تجھے سیکھ لیا ہے
کھنچتا نہیں تو اُس سے جو دلدادہ ہے ترا
شاہد ہے مگر تیری طبیعت میں وفا ہے
ہوتی نہیں بے تیرے کسی فن میں ترقی
جہل ہے اگر لفظِ عمل تجھ سے جدا ہے
تیرے ہی سبب سے ہے فلاطون کی یہ شہرت
رتبہ یہ ارسطو کو بھی تو نے ہی دیا ہے

کس خطۂ دنیا میں نہیں تیری حکومت
شاہوں کا سر آگے ترے ہر وقت جھکا ہے
مسکن ہے ترا سینۂ اربابِ صفا میں
تو منبعِ فیضِ علماء و فصحا ہے
چلتا نہیں بے تیرے کوئی کامِ جہاں کا
ہر عقدۂ لاحل کا تو ہی عقدہ کشا ہے
گمراہ رہے خلق اگر تو نہ ہو رہبر
گر تو نہ کہے کس کو خبر کون خدا ہے
تمیز نہ ہو نیک و بدِ دہر میں کچھ بھی
تیری ہی بدولت ہے جو آنکھوں میں حیا ہے
جو تجھ سے محروم اسے کچھ نہیں حاصل
اس کا نہ یہاں اور نہ عقبیٰ میں بھلا ہے
ہے فنِ تجارت میں وہاں کیسی ترقی
انجن تری حکمت کا جہاں دوڑ رہا ہے
ہے صنعت و حرفت میں بھی ممتاز وہی قوم
سو جان سے جو تیری اداؤں پہ فدا ہے
لیکن نہیں حب قوم کو کچھ تیری محبت
اس قوم کا دنیا میں نگہبان خدا ہے
ہے منحصر اب نانِ شبینہ بھی تجھی پر
بے بہرہ ہے جو تجھ سے وہ بے برگ و نوا ہے

وہ ڈوب گیا چاہِ ضلالت میں سراسر
جو تشنہ ترے چشمۂ حیواں سے پھرا ہے
جس نے تجھے چھوڑا وہ گیا دونوں جہاں سے
بے دین ہے رسوائے زمانہ ہے بڑا ہے
چکھ ذائقۂ علم خدا کے لیے فانیؔ
ایسا تجھے کیا اپنی جہالت میں مزا ہے

دارِ فنا

ہوتے آئے ہیں اس دنیا میں — اکثر مال خزانے والے
دارا، جم، اسکندر کیا تھے — آنے والے جانے والے
کھو بیٹھے اب نام و نشاں تک — شوکت شان دکھانے والے
خاک ہوئے خود خاک میں مل کر — خاک سے بچ کر جانے والے
ہو گئے اب روباہ سے کمتر — شیر سے آنکھ ملانے والے
کٹ گئے اکثر موسمِ گل میں — نخل جو تھے پھل لانے والے
ہر دم زلف بنانے والے — آئینے والے شانے والے
عطر پہ عطر لگانے والے — جوبن پر اترانے والے
چل کے قیامت ڈھانے والے — حشر کو چال سکھانے والے
کوئی نہ ٹھہرا وقت جب آیا — چل دیئے آخر جانے والے
جو نہ گئے وہ جا کے رہیں گے — سب ہیں مسافر خانے والے

دولت ثروت عزت حشمت — چھوڑ گئے سب جانے والے
ساتھ بہت کچھ لے گئے لیکن — کام ہیں دقت لگانے والے
تج بیٹھے جو عمر کی دولت — اب انھیں ہرگز پانے والے
دارِ فنا ہے دنیا فانی — آنے والے ہیں جانے والے

اُردوئے معلیٰ

یہ نظم علگیڈھ کالج کے جلسۂ سالانہ اردوئے معلیٰ منعقدہ ۱۹۰۲ء میں پڑھی گئی تھی

ایک دن فانی سے اردوئے معلیٰ نے کہا
سچ بتا کچھ تو بھی واقف ہے مرا رتبہ سے کیا
کہہ کہ اتنا خود ہی فرمایا کہ تجھ کو کیا خبر
جانتی ہے نظم و نثر ہند میرا مرتبہ
میرے دم سے نونہالانِ بلاغت بارور
میرے گلزار فصاحت کی فضا ہے جانفزا
سکۂ رائج مضامیں ہیں تو میں ٹکسال
گر خبر ہے نغمۂ دلکش تو میں ہوں مبتدا
نام میری بندشِ الفاظ کا دل بستگی
وصف میری شورشِ تحریر کا ہنگامہ زا
آبِ حیواں ہوں اگر ہے نظم عمرِ جاوداں
درجِ گوہر ہوں اگر ہے نثر لعلِ بے بہا

میری صبحِ نظم میں حسنِ صبیحی کی جھلک
میری شامِ نثر میں حسنِ ملیحی کی ادا

میرے فقرے تیر و نشتر میرے جملے دلگداز
میرے نغمے دل نشاں میرے ترانے دل رُبا

میرے نقطے ذرہ ہائے ریگِ صحرائے امید
حرف میرے نقشِ دامانِ قبائے مدّعا

میری بزمِ خاص میں کیا طبعِ موزوں کی بساط
جس میں خاکِ فرشِ پا انداز ہے ذہنِ رسا

سن کے اردوئے معلّٰی کی تعلّی اس قدر
پہلے فانیؔ مسکرایا پھر ادب سے یوں کہا

جو ہوا ارشاد وہ بالکل بجا یکسر درست
ہے مگر اپنی زباں سے مدح اپنی ناروا

اس پہ فرمایا تعلّی یہ نہیں یہ ناز ہے
اُن بزرگوں پر جو حامی ہیں مرے صبح و مسا

وہ کہ ہیں سرگرمِ تکمیلِ زباں آٹھوں پہر
وہ کہ جن کا ورد ہے میری ترقی کی دعا

چین سے رہنے نہیں دیتا انھیں میرا خیال
دم نہیں لیتے گھڑی بھر چین سے رہنا تو کیا

دیکھنا ہو گر مثال اس شوقِ نا محدود کی
دیکھ جا کر جلسۂ دربار سالانہ مرا

جمع ہیں اہلِ سخن اور قدردانانِ سخن
ہے چمن میں نغمہ سنجانِ چمن کا جمگھٹا
نظم کے چبھتے ہوئے اشعار تیر و نیشتر
نثر کے چلتے ہوئے الفاظ خنجر سے سوا
نثر کی رنگینیوں پر غلغلے تحسین کے
نظم کے جادو بھرے نغموں پہ شورِ مرحبا
حسرت آگیں حسرتِ معجز بیاں کا حرف حرف
سربسر اخگر ہے شعر اخگرِ جادو نوا
تو بھی ہو جانا شریکِ بزم گوشے میں کہیں
ہے یقیں مل جائے گی تجھ کو صفِ آخر میں جا
کچھ بھی استعدادِ شعری ہو اگر حاصل تجھے
شعر کہنا تجھ کو آتا ہو اگر اچھا بُرا
نذر کرنا خدمتِ احباب میں دو چار شعر
برگِ سبزے بس بود از تحفۂ عجزِ گدا
سن کے اتنا فانیٔ ناچیز کو جرأت ہوئی
اور یوں تعمیلِ ارشادِ زباں کرنے لگا

غزل

بے طرح ہم چپ ہوئے ہیں جانے کیا کہنے کو ہیں
شاید اب راز خموشی برملا کہنے کو ہیں

آزما کر حالِ دل ایمان لاتے ہی بنا
ہم سمجھتے تھے کہ کاہ و کہربا کہنے کو ہیں

موت کو ہم پیار سے کہتے ہیں اپنی زندگی
زندگی کو آفتِ صبر آزما کہنے کو ہیں

مل چکا روزِ قیامت خونِ ناحق کا عوض
وہ دعائے مغفرت کو خوں بہا کہنے کو ہیں

شکوۂ غارت گری ہائے تغافل کیا کریں
ہم کہ رہزن کو بھی خضرِ رہنما کہنے کو ہیں

کون تھا یارب نمک پاشِ جراحت ہائے دل
زخم دا مذار کو ہم بامزا کہنے کو ہیں

اور پڑھ فانی اسی دھن میں کوئی تازہ غزل
نکتہ پردازانِ محفل مرحبا کہنے کو ہیں

رند رمزِ پارسائے بے ریا کہنے کو ہیں
جو فروشِ زہد کو گندم نما کہنے کو ہیں

حسرت اے شوقِ شہادت عبرت اے قاتل کہ ہم
نخلِ ماتم کو نہالِ مدعا کہنے کو ہیں

داستانِ دل نہیں ہے آپ سنئے تو سہی
ہم جفائے آسماں کا ماجرا کہنے کو ہیں

اس سے کہئے جس نے اندازِ جفا دیکھا نہ ہو
جذبِ دل اور وعدۂ روزِ جزا کہنے کو ہیں
تا کجا یہ دل فریبی اے امیدِ جاں بری
چارہ گر اب دردِ دل کو لا دوا کہنے کو ہیں
پردہ داری چاہئے خوئے فلک کی ورنہ ہم
کشتیٔ غم کا خدا کو ناخدا کہنے کو ہیں
ہرزہ گوئی ختم کر اے فانیٔ آشفتہ سر
اور کچھ بھی شاعرانِ خوش نوا کہنے کو ہیں

تماشائے بہار

۱۹۰۶ء

آج احباب کا اصرارِ تماشائے بہار
لے گیا فانیٔ دل خستہ کو سوئے گلزار
یک قلم صفحۂ عالم نظر آیا رنگیں
کلکِ قدرت نے بنائے تھے عجب نقش و نگار
والائے سبزۂ نورستہ کی جادو رقمی
خطِ گلزار بنا آج ہر اک خطِ غبار
سب ہی نظارہ فریب آج نشیب و فراز
سبزہ و آب سے شاداب ہے وہ سرشار

ہے یہ پُرجوش و خروش آبِ رواں جمنا
سو گیا سبزۂ خوابیدۂ ساحل بیدار

عرضِ حال

یادِ ایامِ عیشِ برنائی
ہم ہیں اب اور کنجِ تنہائی

نہ وہی آرزوئے صبر شکن
اب نہیں حسرتِ شکیبائی

سرِ نظارۂ جمال نہیں
اپنے ہم آپ ہیں تماشائی

بھول بیٹھے ہم اک زمانہ ہوا
محفل آرائی و خود آرائی

دل کہ تھا آشنائے ذوقِ نظر
ہم کہ تھے وصل کے تمنائی

ہم وہی دل وہی سہی لیکن
نہ وہ سودا نہ ہم وہ سودائی

اب نہ وہ آہِ دم بہ دم کا ہجوم
اب نہ وہ غم کی کارفرمائی

فرصتِ شوق ہے نہ رخصتِ ہوش
کوچہ گردی نہ دشت پیمائی

لحنِ بلبل جگر خراش ہے اب
نہیں بھاتی گلوں کی رعنائی

دل ہی مرجھا گیا نہ ہوا اپنا
کہ چمن میں تو ہے بہار آئی

سمجھیے اب وداعِ سیرِ چمن
خار ہے وہ کلی جو مرجھائی

آ بھی، اے مرگِ ناگہانی آ
سخت مضطر ہے تیرے شیدائی

چارۂ دردِ زندگی تو ہے
کہ اگر ہو سکے مسیحائی

فانیٔ تلخ کام کی امید
تو اگر آ گئی تو بر آئی

غمّازی

ایک غماز سے کسی نے کہا | سچ تو کہہ ہے تری یہ عادت کیا
بیج بوتا ہے کیوں عناد کے تو | نہیں آتا سمجھ میں کچھ اصلا
کیوں اِدھر کی اُدھر لگاتا ہے | فائدہ آخر اس میں کیا ہے ترا
تو نے لڑوا دیا ہزاروں کو | کر دیے دوستوں سے دوست جدا
تیری باتیں ہیں یا پیامِ اجل | ہے زباں تیری یا کہ پیکِ قضا
ہو گئے سینکڑوں کے گھر برباد | اک اشارے میں تیرے کیا نہ ہوا
موجِ زہر آب ہے زباں تیری | تیرے شربت میں زہر کا ہے مزا
خوئے بد کیا ترے خمیر میں ہے | تیری طینت میں خبث ہے کتنا
اچھے دل کر دیئے بُرے تو نے | تیری آمد ہے یا نزولِ بلا
تو ہے غمازیوں میں غیبت میں | ہم زباں ہم خیالِ شیطاں کا
لاکھ احساں کسی کے ہوں تجھ پر | تو کسی سے کبھی نہیں چوکا
چھید اُنھیں ہانڈیوں میں کرتا ہے | جن میں سو بار تو نے کھایا کھایا
باپ بھائی کہ دوست کوئی ہو | تیرے ہاتھوں سے کب ہے کوئی بچا
دوست بن بن کے راز لوگوں کے | پوچھ لینا ہے خاص شیوہ ترا
پاسِ غیرت نہیں تجھے کہ کبھی | چغلیاں کھا کے تو نہ شرمایا
تو نے کیوں اختیار کی ہے یہ خو | آخر اس کا کوئی سبب تو بتا
سن کے غماز نے دیا یہ جواب | تو نے شاید نہیں یہ شعر سنا

نیشِ عقرب نہ از پئے کیں است | مقتضائے طبیعتش ایں است

دیگر

میرے اشعار بد اخلاقی غمّازی پر | سن کے جو مجھ سے بگڑ جائے اسے کیا کہیے
اس کو دیوانہ مری نظم کو ہجو کیجئے فرض | یا اسے چور کی داڑھی اسے تنکا کہیے

نامۂ منظوم

بنام حافظ امام الدین صاحب امامؔ اکبرآبادی جنوری ۱۹۲۳ء حیدرآباد دکن

مشفق و مہرباں جناب امام | خط ملا بعدِ انتظار تمام
خط کے ہمراہ یہ پیام بھی تھا | یاد ہے دوستوں کو تیرا نام
لیکن اس نامۂ محبت نے | زخمِ دل پر کیا نمک کا کام
چاہتا ہوں کہ تم کو لکھ بھیجوں | ماجرائے ضروری الادغام
گرچہ تھی صبحِ آگرہ بے نور | اوج پر تھا مگر ستارۂ شام
اور پہنچنا ہی چاہتا تھا مجھے | حُسنِ اول کا آخری پیغام
کہ یکایک فلک نے کروٹ لی | اور کیا فتنہ جو نے اپنا کام
سینکڑوں کوس آگرے سے دور | پھینک کر بھی نہیں لیا آرام
دلِ احباب سے بھی دور کیا | بند کی راہ نامہ و پیغام
حیدرآباد ہے اب اور ہم ہیں | دیکھنے کو بھی وہ سحر ہے نہ شام
کون غربت میں غم گسارِ غریب | کس کو پردیسیوں کے کام سے کام

جوش و آزاد نے کسی حد تک — کی تلافیٔ گردشِ ایام
تھی مگر پھر بھی کس کے بس کی بات — حیدرآباد میں طویل قیام
ہاں مگر ایک بات اور صرف ایک — دوسرا ہو تو ہوں میں اس کا نام
وہ مہاراجہ سرکشن پرشاد — منبعِ جود، مصدرِ اکرام
جس کے در سے نہیں کوئی محروم — جس کے دم سے ہے لطفِ خاص بھی عام
یہ وہ ہستی ہے جس کے فیض سے ہے — کوئی دن اس دیار میں بھی قیام
اس کا اقبال اس کی دولت و عمر — سب کو اللہ دے ثبات و دوام
یہ ہے رودادِ ابتدائے سفر — اب جو اس ابتدا کا ہو انجام
یاد رکھیے دعائے خیر کے ساتھ — اک سلام اور بعد ختمِ کلام
ہاں مگر اک سلامِ شوق ہے اور — بہ امیدِ جوابِ شوق و سلام

دیگر

بخدمت معین السلطنت ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر شاد (آنجہانی) (سابق) صدر اعظم مملکت آصفیہ دکن و برار مئی ۱۹۳۲ء

اے مہاراجہ بہادر سرکشن پرشاد شاد
واسطہ اُن بیکسی کا جس کو نسبت مجھ سے ہے
واسطہ اس جبرِ کُل کا جس سے خلقت ہے مراد
واسطہ اس عجزِ کُل کا جو عبارت مجھ سے ہے
واسطہ اس شانِ رفعت کا جو حاصل ہے تجھے
واسطہ ان پستیوں کا جن میں رفعت مجھ سے ہے

واسطہ ارباب فن کی کس میرسی کا تجھے
تجھ کو اُس فن کی قسم اب جسکی عزت مجھ سے ہے
جس میں سودا سر فانی کا ہے اس سر کی قسم
ہاں اور اس دل کی قسم جسکو محبّت مجھ سے ہے
جس سے میں بیزار ہوں اس زندگانی کی قسم
اس جوانی کی قسم اب جس کو نفرت مجھ سے ہے
کیوں نہیں ملتا مجھے میرے کسی خط کا جواب
کچھ تو ہو معلوم آخر کیا شکایت مجھ سے ہے
اس تغافل کا سبب یہ کج ادائی کس لیے
اس قدر بیزار کیوں تیری عنایت مجھ سے ہے
میں نے یہ مانا کہ مفلس ہوں تونگر میں نہیں
میں نے یہ مانا کہ کوسوں دور ثروت مجھ سے ہے
میں نے یہ مانا کہ حاجت مند ہوں محتاج ہوں
میں نے یہ مانا بہت برگشتہ قسمت مجھ سے ہے
ہر ہنر سے میں نے یہ مانا کہ میں بیگانہ ہوں
کسب زر کو میں نے یہ مانا عداوت مجھ سے ہے
میں نے مانا دشمن اب روتے ہیں میرے حال پر
میں نے مانا دوستوں کو درس عبرت مجھ سے ہے
میں نے مانا اس زمیں پر بار سا ہے میرا وجود
میں نے مانا ایک عالم کو اذیّت مجھ سے ہے

کچھ سہی لیکن یہ ممکن ہے کہ تو بھولے مجھے
یاد ہے تیرا جو پیمانِ محبت مجھ سے ہے
مجھ پہ تو احساں کرے اور بھولنا چاہے تو خیر
میں نہ بھولوں گا جو تیرے در کو نسبت مجھ سے ہے

سہرا

تقریب شادی نواب خواجہ نصر اللہ خاں بہادر خلف مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر شاد (آنجہانی)

مقدر کی بدولت آج پہنچا ہے کہاں سہرا
کہ ہے اوجِ آشنائے فرق نصر اللہ خاں سہرا
فروغِ طالعِ بیدار ہے پھولوں کے سہرے میں
شعاعِ مہر سے قیمت میں ٹھہرا ہے گراں سہرا
مسخر کر لیا سہرے نے نظروں کو کہ سہرے سے
جدھر پلٹیں ادھر سہرا جہاں ٹھہریں وہاں سہرا
یہ زلفِ حال کا شانہ ہے مستقبل کا آئینہ
محبت کی سند سہرا وفا کا امتحاں سہرا
مبارک شاد کو نوشاہ کے سہرے کا یہ عالم
نئی کلیاں نئی لڑیاں جواں موسم جواں سہرا
مبارک ہو مرے نواب نصر اللہ خاں تجھ کو
تری امید کی دنیا کا پہلا آسماں سہرا

نہ زعمِ خوش نوائی ہے نہ دعویٰ خوش بیانی کا
ترا اقبال ہے ورنہ کہاں فانی کہاں سہرا

○

بتقریب یومِ یادگار سر سید مرحوم عثمانیہ طلبائے قدیم علی گڑھ منعقدہ حیدرآباد دکن میں پڑھا گیا

جو شمعِ علم مغرب سیّد نے کی تھی روشن
بکھری ہوئی ہیں جس کی کرنیں ہر انجمن میں
اس شمعِ علم و فن کی کچھ منتشر شعاعیں
یارانِ بزم تم ہو اس گوشۂ دکن میں
لیکن یہ یاد رکھو سچی شعاع وہ ہے
آنکھوں کا نور بن کر پھیلے جو مرد و زن میں
جو شمع سے نکل کر دنیا کو جگمگا دے
جو روح تازہ پھونکے ہر پیکرِ کہن میں
ماحول کے اثر سے آئے نہ فرق لازم
گلزار کی کرن اور کہسار کی کرن میں
اور یہ نہیں تو پھر تم مٹی کا وہ دِیا ہو
افسردہ نور جس کا محدود ہو لگن میں
سیّد سے نسبتوں کے دعوے تو سچ ہیں لیکن
اک پہلوئے عمل بھی درکار ہے سخن میں

○

تہنیت خطاب راجہ بہادرؔ بہ راجہ خواجہ پرشاد کمار (آنجہانی)
خلف مہاراجہ سرکشن پرشاد (آنجہانی)

بہ من زراجۂ ارجن کمار داد قبول
زمن بخواجۂ من ایں دعا مبارک ہو
زحق ہر آنچہ خوش است و زشاہ از سر لطف
خطابؔ راجہ بہادرؔ ترا مبارک ہو

۱۹۳۴ء

○

بلدۂ حیدرآباد سے ناندیڑ کو تبادلہ ہو جانے کے سلسلے میں لکھا گیا تھا

سرگزشتِ غم تنہائی ناندیڑ نہ پوچھ
میں وہاں ہوں کہ جہاں میں بھی ہوں کچھ آپ سے دور
جس طرف دیکھیے اک عالم ہو کی تصویر
جس طرف جائیے وحشت سے فضائیں معمور
صبح سے شام غریبی کی بلاؤں کا نزول
شام سے گورِ غریباں کی خموشی کا ظہور
میں وہ معتوب ہوں جس پر نہ کھلا رازِ عتاب
میں وہ مجرم ہوں کہ ثابت نہ ہوا جس کا قصور
اور جو مجرم ہوں نہ معتوب تو کیا یہ سمجھوں
بے گناہی کے عوض بھی ہے سزا کا دستور

میں کہ اک عمر سے ہوں خادمِ اربابِ کمال
میں کہ اک عمر سے ہوں جہل کے سائے سے نفور
میری سرگرمیٔ خدمت کی یہ ادنیٰ ہے دلیل
کہ ہے دنیائے ادب میں مری خدمت مشہور
حیف جب سعی کو میدانِ عمل ہو درکار
اور تقدیر سے وہ سعی رہے نامشکور
زندگانی ہے یہاں گرچہ نہایت دشوار
حکمِ اربابِ قضا سے ہوں بغایت مجبور
اور کچھ یہ بھی حقیقت ہے کہ نا ندیر غریب
اثرِ صحبتِ فانی سے نہیں ہے مسرور
اب سے بدنام ہوا مجلسِ فانیؔ بن کر
گردوارے کی بدولت جو ہوا تھا مشہور

قطعات

سچ اگر پوچھو تو دنیا اک تماشا گاہ ہے
اہلِ دنیا اس تماشا گاہ کے ہیں ایکٹر
زندگی اسٹیج پردے انقلاباتِ جہاں
مختلف سین اس تھیٹر کے ہیں حالاتِ بشر

عورتوں پر برتری مردوں کی ثابت ہے کہ وہ
رکھتے ہیں قوت جو ہے اس برتری کا خاتمہ
سچ کہا ہے یہ کسی نے جس کی لاٹھی اس کی بھینس
ہے جہاں لاٹھی وہاں انصاف کا ہے خاتمہ

یاس ہے اور خاطر بے تاب ہے
آرزو ہے نہ کوئی حسرت ہے
عمرِ جاوید اب عزیز نہیں
جانِ فانی کو عزمِ رحلت ہے

دم لینے کی تو مہلت ملنا ہی چاہیے تھی
دن رات بحرِ غم میں کیا غرق چاہیے تھا
فانی کی زندگی بھی کچھ زندگی تھی یارب
موت اور زندگی میں کچھ فرق چاہیے تھا

اب وہ راتیں کہاں شباب کہاں
ہو گئی صبح وقتِ خواب کہاں
یاس ہے اب نہ آرزو فانی
دل ہو بیتاب اب یہ تاب کہاں

بتقریب جشن سالگرہ ہمایونی بندگانِ اعلیحضرت سلطان دکن دبرار خلد اللہ ملکہ
رشتۂ عمرِ دلدار شاہ کی اک اک گرہ
فالِ صد نصرت ہو یارب شاہِ ذیشاں کے لیے

ہر گرہ میں یوں ہی مضمر ہو کشودِ کارِ خلق
ہر برس لائے یہی دن میری عثماں کے لیے

○

تاریخ وفات نواب رضا نواز جنگ مرحوم

ہاتفِ غیب چوں مرادِ عوتِ کشف راز داد
گفتمش از جہانِ خویش بگفت فریب بوئے ورنگ
گفتمش از سکونِ دل گفت رضائے اوبرد
گفتمش از عدم بگفت راہِ رضا نواز جنگ

۴۴ ف ۱۳

نظام الاوقات

فانی کے اب اوقات نہ پوچھو کہ وہ اس سال
بستی میں ملے گا نہ بیاباں میں ملے گا
محراب میں پاؤ گے نہ مے خانے میں اس کو
مسجد میں نہ وہ حلقۂ رنداں میں ملے گا
البتہ وہ ناوہ ناواقفِ اسرارِ حکومت
نانڈیڑ کے اک گوشۂ ویراں میں ملے گا
دن رات وہ دیوانۂ خودداری و غیرت
آغوشِ غم و پہلوئے حرماں میں ملے گا

وہ نور کا تڑکا ہو کہ ہو تیرگیٔ شام
جب دیکھیے وہ کلبۂ احزاں میں ملے گا

جب دیکھیے وہ طوقِ غلامی سے گراں بار
اندوہ معیشت ہی کے زنداں میں ملے گا

گو راہِ خطا سے نہیں اٹھتا قدم اس کا
سر شرمِ معاصی سے گریباں میں ملے گا

تعزیت مہاراجہ سرکشن پرشاد (آنجہانی)

اے مہاراج بہادر اے یمین السلطنت
تو مجسّم خیر تھا انساں عبارت تجھ سے تھی

اب کہاں رسم و مروّت اور کہاں ہندوستاں
آج بھی باقی یہاں رسم و مروّت تجھ سے تھی

اس زمانے میں کہ ہے معیارِ عزت سیم و سنگ
بے نوائی میں بھی ہم جیسوں کی عزّت تجھ سے تھی

بزمِ اربابِ ادب اجڑی ہوئی محفل ہے آج
بزمِ اربابِ ادب کی ساری زینت تجھ سے تھی

زندہ رکھا تھا سخاوت نے تو خود حاتم کا نام
اور تیرے دور میں زندہ سخاوت تجھ سے تھی

دل سے تیری یاد ہرگز محو ہو سکتی نہیں
اب بھی فانی کو دہی ہے کل جو نسبت تجھ سے تھی

رُباعیات

یہ گھر نہیں جیل ہے خطاکاروں کا
اسلام کے بے گنہ گرفتاروں کا
ہے سب سے بڑا گناہ عورت ہونا
محبس ہے یہ قدرت کے گنہ گاروں کا

○

اک کلمۂ شوق لب پہ لایا نہ گیا
افسانۂ آرزو سنایا نہ گیا!
فانیؔ اَرِنی نہ اپنے منہ سے نکلا
احسانِ تجلّی بھی اٹھایا نہ گیا

○

نیرنگِ زمانہ رنگِ دنیا دیکھا
کیا کہیے ہم نے کیا کیا، کیا دیکھا
تدبیر نے جو کھلونے جھنکائے جھانکے
تقدیر نے جو ہمیں دکھایا دیکھا

○

تکمیلِ بشر نہیں ہے سلطاں ہونا
یا صف میں فرشتوں کی نمایاں ہونا
تکمیل ہے عجزِ بندگی کا احساس
انساں کی معراج ہے انساں ہونا

○

تھا باغ مرقّعِ تمنّا اپنا
صحرا وہ سو اک نقشِ جنوں تھا اپنا
ہم بزمِ حواس میں اکیلے ہی رہے
دیکھا کیے دور سے تماشا اپنا

○

وہ حور کو چاہا کہ پری کو چاہا
چاہا اسے ہم نے جب کسی کو چاہا
سو رنگ سے کُھلی دل میں تمنّا اُس کی
جب اس کو نہ چاہا تو اسی کو چاہا

بندہ کوئی ایسا بھی خدا کا ہوگا — جس کا چاہا فلک کا چاہا ہوگا
مر مر کے تو ہم کبھی جی رہے ہیں فانیؔ — جینے کی طرح بھی کوئی جیتا ہوگا

کتنوں کو جگر زخم کا سیتے دیکھا — دیکھا جسے خونِ دل ہی پیتے دیکھا
اب تک روتے تھے مرنے والوں کو اور اب — ہم رو دئیے جب کسی کو جیتے دیکھا

جاہل خود اور خود اہلِ عرفاں ہونا — خود تشنہ لب اور خود آبِ حیواں ہونا
اضداد کا امتزاج کچھ کھیل نہیں — مشکل ہے کوئی کام تو آساں ہونا

کس روز یہ دل کفر کا مسکن نہ ہوا — کس شرک سے آلودہ یہ دامن نہ ہوا
ہم نے سو طرح دشمنی دوست سے کی — اللہ رے دوستی وہ دشمن نہ ہوا

جب کوئی تڑپ دیکھنے والا نہ رہا — پھر لطف کوئی تڑپ کا نہ رہا
جس دل کو میسر نہ ہو غمخوار کوئی — اس دل میں کوئی درد رہا یا نہ رہا

سب سے مجھے بیگانہ بنا کر چھوڑا — عبرت کا اک افسانہ بنا کر چھوڑا
آنے نہ دیا ہوش محبت نے کبھی — آخر مجھے دیوانہ بنا کر چھوڑا

اس دارِ فنا میں جو تھا بدنامِ حیات
اک عمر رہا موردِ الزامِ حیات
فانیؔ جس کی حیات تھی حسرتِ مرگ
اس خاک میں دفن ہے وہ ناکامِ حیات

تنزیہ ہے اسکی ہر صفت کا مقصود
وہ ایک ہے یعنی نہیں کثرت کا وجود
تحدید کا پہلو نہیں وحدت میں کہ ہے
انکارِ تعین بہ زبانِ محدود

ناقص ہے عطا نہ زندگانی محدود
ہے بہرِ حصولِ خلقتِ ہر مقصود
فانیؔ جس کا حصول ناممکن ہے
ممکن نہیں دل میں اس تمنا کا وجود

محکوم ہے حاکم کی حکومت کا شکار
کمزور زبردست کی قوت کا شکار
چھوڑی ہے نہ ہو جو عورتوں پر سختی
جبتک ہیں یہ مردوں کی جہالت کا شکار

کچھ خیر سے یادِ یار میں گزری عمر
کچھ موت کے انتظار میں گزری عمر
آیا بھی اگر ہوش تو بےچین رہے
کچھ نشہ میں کچھ خمار میں گزری عمر

دیوانہ صفت گزار بے ہوش گزر
پستی و بلندی سے ہم آغوش گزر
نیرنگِ نگاہ و ہوش ہے ہر ذرہ
حیراں گزر اس راہ سے خاموش گزر

○

اے فتنۂ روزگار آہستہ گزر
آشوبِ دلِ فگار آہستہ گزر
نازک ہے بہت دماغِ اربابِ جنوں
اے نکہتِ زلفِ یار آہستہ گزر

○

بلبل کی حیات کا تقاضا ہے کچھ اور
پھولوں کی جو دنیا ہے وہ دنیا ہے کچھ اور
گو نالۂ مجبور بھی آساں نہیں
مجبوریٔ خندہ ہائے بیجا ہے کچھ اور

○

بندے انکی رضا کے ہیں لیل و نہار
تکتی ہے انہیں کا منہ خزاں ہو کہ بہار
تدبیر تو فانی ہے پھر آخر تدبیر
تقدیر کو ہے انکی مشیّت درکار

○

اللہ رے مال و جاہ و ثروت کا غرور
اس خاک کے پتلے کو قیادت کا غرور
اس آج کے فرعون نے یہ بھی دیکھا
فرعون رہا نہ وہ حکومت کا غرور

○

غم عینِ نشاط و رازِ تخلیقِ نشاط
غم حجّتِ انبساط و تصدیقِ نشاط
غم کا ہے تبسم جسے کہتے ہیں وجود
ہستی کو ہے غم کے دم سے توفیقِ نشاط

○

یہ ارض و سما یہ انس و جاں ہیں الفاظ
الفاظ کے معنی بھی یہاں ہیں الفاظ
اک معنیٔ بے لفظ عالم فانیؔ
معنی کی لطافت پہ گراں ہیں الفاظ

آرام کے ساتھی ہیں فراغت کے شریک
البتہ نہیں گردشِ قسمت کے شریک
غم خوار خدانخواستہ کیوں ہونے
احباب کا مفہوم ہے راحت کے شریک

دے کر یارب تونگری کی توفیق
دی اہلِ تکبر کو خودی کی توفیق
بندوں کو خدا بنا کے دیکھا تونے
اب ان کو عطا ہو بندگی کی توفیق

ہستی کے نہ آغاز نہ انجام میں دخل
تکلیف پہ قابو ہے نہ آرام میں دخل
اک سانس پہ عمر بھر کبھی بس نہ چلا
مختار ہوں اور نہیں کسی کام میں دخل

جو شے نہ ہو اس کی آرزو سے حاصل
فانی راحت کی جستجو سے حاصل
تو جس کی تلاش میں ہے دنیا میں نہیں
پھر حسرتِ سیرِ لکھنؤ سے حاصل

پردہ کہ عرب سے لیکے تا روم و عجم
کچھ شرم و حیا اسمیں زیادہ تھی نہ کم
کایا سی گئی نہ رہی کچھ اس کی پلٹ
یاں اس نے لیا ہے اینٹ گارے کا جنم

پاکیزہ ہوا کی تازگی سے محروم
دیواروں میں بند روشنی سے محروم
ہے قابلِ افسوس عورتوں کی حالت
زندہ ہیں مگر زندگی سے محروم

ناکامِ ازل کی کامرانی معلوم! قسمت میں نہ ہو تو شادمانی معلوم
جینے سے مراد ہے نہ مرنا شاید ورنہ فانی کی زندگانی معلوم

اے راہ روِ جادۂ دنیائے یقیں چل خاک پہ قدموں کے عوض رکھ کے جبیں
نقشِ قدمِ دوست ہیں یہ پست و بلند ہلکے ہیں یہ نقش گہرے ہیں کہیں

ہر چند بہت بے سر و ساماں ہوں میں
اور قصرِ گناہ پر پشیماں ہوں میں
لیکن یہ غنیمت ہے فرشتہ میں نہیں
بخشش کو یہ کافی ہے کہ انساں ہوں میں

اب یہ بھی نہیں کہ نام تو لیتے ہیں
دامن فقط اشکوں سے بھگو لیتے ہیں
ہم اب ترا نام لے کے روتے بھی نہیں
سنتے ہیں ترا نام تو رو لیتے ہیں

کلیاں کھلتی ہیں پھول کملاتے ہیں جلوے بیباک ہو کے چھپ جاتے ہیں
دل جنکے ادا شناس ہر رنگ نہیں فانی اس باغ میں وہ کیوں آتے ہیں

چاہے سے بدلتی ہے مشیت کبھی کہیں
چھپتی ہے چھپائے سے حقیقت کبھی کہیں
غم مے سے غلط نہ کر کہ غم قسمت ہے
پلٹی ہے غلط کیے سے قسمت کبھی کہیں

ہستی فقط اک دَورِ مسلسل ہی نہیں
ہر خلق جدید ہے لطافت سے قریں
کلیوں کو سب نے پھول بنتے دیکھا
کلیاں بنتے بھی پھول دیکھے ہیں کہیں

قطرے کو یہاں سحاب بھی کہتے ہیں
دریا ہے جسے حباب بھی کہتے ہیں
ہر جزو بجائے خویش کُل ہے فانیؔ
ذرّے ہی کو آفتاب بھی کہتے ہیں

فانیؔ جب دل نہیں تو دنیا بھی نہیں
اب عیش عزیز کیا گوارا بھی نہیں
جینے کی تمنا کو زمانہ گزرا
اب خیر سے مرنے کی تمنا بھی نہیں

اک شمع کی سو روپ میں تنویریں ہیں
اک حرف کی سو رنگ میں تحریریں ہیں
بن جاتی ہے ہر نگاہ منظر فانیؔ
جو دیکھ رہا ہوں مری تصویریں ہیں

○

روداد غم ہوش ہے وابستہ گُن
کانٹا نہ نکال پھول دیکھ اور نہ چُن
فانیؔ افسانۂ بکمتسل ہے حیات
سن اور بہ امید ردّ و اصلاح نہ سُن

○

دنیا کہیں دوزخ ہے کہیں خلد بریں
دل ہے وہی اک شاد ہے اک حزیں
یہ ذرّہ چمک اٹھا وہ تاریک ہوا
جم کر نہ رہی شعاعِ خورشید کہیں

○

نیرنگیٔ حیات و جذبات ہوں میں
جو فہم سے ہو بعید وہ بات ہوں میں
جس رات کے دو پہر ہوں ہستی و عدم
فانیؔ بیمارِ غم کی وہ رات ہوں میں

آیا جگہ ناوکِ آفات ہوں میں
تلخی کشِ زہرِ مافات ہوں میں
عبرت کدۂ دہر میں شاید فانی
جینا ہے گناہ اور مکافات ہوں میں

○

بندے زردار و بے نوا ہیں دونوں
محتاجِ عطا شاہ و گدا ہیں دونوں
ہستی کا فریب ہے مراتب کا یہ فرق
دھوکے میں آکے دیکھ کیا ہیں دونوں

○

دنیا اندھیر جب ہوئی جاتی ہو
امید بھی ساتھ چھوڑتی جاتی ہو
سمجھو سن لی خدا نے دل کی فریاد
ہر چند کہ اب اُف بھی نہ کی جاتی ہو

○

ناعاقبت اندیش قیامت کو سمجھ
مظلوم سے ڈر خدا کی عادت کو سمجھ
یہ عرش کو سو بار ہلا آئی ہے
آوازِ شکستِ دل کی طاقت کو سمجھ

کشمیر میں حالِ اہلِ کشمیر تو دیکھ
ہر پاؤں میں افلاس کی زنجیر تو دیکھ
سمجھے ہم کیا تھے دیکھتے ہم کیا ہیں
کشمیر کے خواب اپنی تعبیر تو دیکھ

○

اس سمت تقاضا کہ ادھر ایک نگاہ
اس سمت فریبِ وعدۂ شام و پگاہ
یہ کشمکشِ ردّ و قبول اور فانی
لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

○

انوار کے پردوں میں سیاہی توبہ
اغراض کی دوستی الٰہی توبہ
فانی جنہیں دشمنی سمجھنا ہے محال
ان دشمنوں کی بے پناہی توبہ

○

دکھ عورتوں کے سوز زبانی ان کی
سننے ہی کے قابل ہے کہانی ان کی
بڈھے ہیں تو کون بل نکالے ان کے
سیدھے ہیں جو مرد مہربانی ان کی

دل کا نہ سہی یہ حال افسانہ سہی
جاتی نہیں تم پہ جان اچھا نہ سہی
ظاہر ہے کہ ہشیار نہیں ہے فانیؔ
دیوانہ تمہارا نہیں دیوانہ سہی

دل ہے وہی اضطراب کی خو نہ سہی
غم ہے وہی اظہار کا پہلو نہ سہی
آنسو تھے تو آنسوؤں سے رو لیتے تھے
روتے اب بھی ہیں خیر آنسو نہ سہی

پھولوں کی نظر نواز رنگت دیکھی
مخلوق کی دل گداز حالت دیکھی
قدرت کا کرشمہ نظر آیا کشمیر
دوزخ میں سمائی ہوئی جنت دیکھی

ترکِ غم سے خوشی کی حسرت نہ مٹی
صورت کے بدل جانے سے صورت نہ مٹی
غم لاکھ غلط کیا مگر پھر غم تھا!
انکارِ حقیقت سے حقیقت نہ مٹی

عالم بدلا فضائے عالم بدلی
ہر شے بے اختیار و پیہم بدلی
ہاں اک مری تقدیر کہ بدلی ہی نہیں
اک میری طبیعت کہ بہت کم بدلی

○

یعقوب کی تم نے آہ و زاری سن لی
ایوب کی کبھی شکر گزاری سن لی!
یہ مان لیا کہ سب کی سن لیتے ہو
یہ اور سمجھ لیں کہ ہماری سن لی!

○

کس شخص کو احتیاجِ دنیا نہ ہوئی
ہاں فرق یہ ہے فاش ہوئی یا نہ ہوئی
محتاج چھپا نہ سکا افلاس کا راز
زردار کی احتیاج رسوا نہ ہوئی

○

کچھ کام نہیں تو کام کر جانے دے
یارب دنیا سے اب گزر جانے دے
مر مر کے جیے جاتے کہاں تک فانیؔ
جینا نہیں منظور تو مر جانے دے

کیا خضرِ طریق کہہ کے رہزن کہتے
بنتی نہیں موم کہتے آہن کہتے
ورنہ وہ دوستوں نے ایذا دی ہے
شرم آتی ہے دشمنوں کو دشمن کہتے

○

جاہل ہی نے پایا نہ عالم نے تجھے
مخفی رکھا خمیرِ محرم نے تجھے
لیکن یہ حجابِ قدر آخر کب تک
پہچان لیا فسخِ عزائم نے تجھے

○

ہر شے میں نگاہِ شوق پاتی ہے تجھے
دوری گویا قریب لاتی ہے تجھے
پھولوں کی مہک یاد دلانے والے
پھولوں کی مہک یاد دلاتی ہے تجھے

○

وہ یاد جو محوِ ہوش پاتی ہے تجھے
چونکا کے عجب تماشا دکھاتی ہے مجھے
ہر بو میں جھلکتا ہے رخِ یار کا رنگ
ہر رنگ میں بوئے یار آتی ہے مجھے

آنکھوں سے جو خونِ دل بہے بہنے دے
تخفیف نہ چاہ دل کو غم سہنے دے
غم میں یہ تصرف ہے خیانت فانیؔ
غم اس کی امانت ہے یونہی رہنے دے

○

یہ رات یہ ابر یہ ہوا کے جھونکے!
یہ راگ ہوا کے ساز پر بوندوں کے
پھر دل میں وہ یاد دے کے نشتر آئی
پھر زخم ہرے ہو کے رہے برسوں کے

○

وہ بھید ہوں فانیؔ جو کوئی پا نہ سکے
وہ بات ہوں جو خیال میں آ نہ سکے
قادر ہو وہ عمر بھر جیے جانے پر
جو تابِ عذاب یک نفس لا نہ سکے

○

منہ میں ہے زبان کچھ نہ کہنے کے لیے
اسباب طرب ہیں رنج سہنے کے لیے
اثبات سے اثبات کی ضد ہے مقصود
زندہ ہیں فقط زندہ نہ رہنے کے لیے

بیگانۂ ہجر ہو کے مہجور رہے
رحمت سے قریب ہو کے ہم دور رہے
عصمت رہی احساسِ خطا میں مضمر
مختار سمجھتے رہے مجبور رہے

ہر لمحہ گزرنے کو ہے یا گزرا ہے
ہنگامِ عمل دیکھیے کب آتا ہے
ٹھہرے گا کبھی وقت تو ہوگا امروز
فی الحال زمانہ دی ہے یا فردا ہے

کب کوئی کسی کے لیے غم کھاتا ہے
وہ نیک ہے جو بدی سے ڈر جاتا ہے
امکان ہے اپنی بے کسی کا بھی مجھے
اس خوف سے بیکسی پر ترس آتا ہے

وقت اپنا سبھی طرح گزر جاتا ہے
اچھی کہ بری طرح گزر جاتا ہے
جو لمحہ کسی طرح گزرتا ہی نہیں
فی الجملہ کسی طرح گزر جاتا ہے

سچ ہے کہ محبت میں اثر ہوتا ہے
جو چاہے وہ نہیں مگر ہوتا ہے
جتنا متوقع ہو خبر کا کوئی
اتنا ہی وہ اور بے خبر ہوتا ہے

○

کیا جامِ مئے ہوش ربا دیتا ہے
کیا مژدۂ ردِّ ہر بلا دیتا ہے
ہر قطرۂ مے ہے خونِ صد عیش بدوش
مٹے دنے کے فریبِ عیش کیا دیتا ہے

○

دل ہو ہمہ جوش زندگانی یہ ہے
مایوس نہ رہے کامرانی یہ ہے
ہر فتح کی بنیاد ہے انکارِ شکست
مانوس ہر غم سے شادمانی یہ ہے

○

کیا کہیے کہ مدعائے تحقیق یہ ہے
خود کھو گئے ماجرائے تحقیق یہ ہے
تو کیا ہے یہ ابتدائے تحقیق سہی
ہم کچھ نہیں انتہائے تحقیق یہ ہے

اس باغ میں جو کلی نظر آتی ہے
تصویرِ فسردگی نظر آتی ہے
کشمیر میں ہر حسین صورت فانیؔ
مٹی میں ملی ہوئی نظر آتی ہے

○

گو خار ہوں جب یادِ چمن آتی ہے
انگاروں پہ لوٹتے ہی بن آتی ہے
کافر ہوں جو فردوس میں چین آتا ہو
دوزخ سے کبھی جب بوئے وطن آتی ہے

○

ہاں بعدِ خزاں بہار آجاتی ہے
اک لمحۂ عیش بعد غم لاتی ہے
اک اپنی ہی عید پھر نہ پلٹی ورنہ
اب تک رمضان کے بعد عید آتی ہے

○

بجھتی ہی نہیں شمع جلی جاتی ہے
کٹتی ہی نہیں رات ڈھلے جاتی ہے
جاری ہے نفس کی آمد و شد فانیؔ
سینے میں چھری ہے کہ چلی جاتی ہے

غم رازِ بقا نظامِ یک عالم ہے
غم سے غلط ہو یہ توقع کم ہے
ہے ردِّ حقیقت بھی حقیقت فانی
بالفرض غلط بھی ہو تو غم پھر غم ہے

○

کیا جانیے کس کی جستجو جاری ہے
اک عمر سے رسم آرزو جاری ہے
کچھ اپنی زباں میں دل کہے جاتا ہے
بے سمجھی ہوئی سی گفتگو جاری ہے

○

دل میں خلشِ دردِ نہاں جاری ہے
دل پر اثرِ سود و زیاں جاری ہے
مر جاؤں تو اعتبار آئے شاید
جب تک جیتا ہوں امتحاں جاری ہے

○

دل سے تری ہی گفتگو کافی ہے
تجھ سے تری ہی آرزو کافی ہے
فانیؔ ہو کہ باقی ہو وہ دنیا ہو کہ خلد
درکار نہیں کہ ایک تو کافی ہے

ہر چند کہ بے نیازِ عالم تو ہے
ہر درد میں دل نوازِ عالم تو ہے
للہ بنا دے مرے بگڑے ہوئے کام
واللہ کہ کارسازِ عالم تو ہے

متفرق اشعار

نہ آؤ سامنے لیکن تصور میں تو آؤ گے
یہ آنکھوں کا ہے پردہ دل سے پردہ ہو نہیں سکتا

وہ میری عیادت کو آئے ہیں دمِ آخر
ہاں اور ابھی دم بھر اے عمرِ وفا کرنا

آپ کا حسن کہ پردے میں بھی تھا عالمگیر
آپ کا عشق کہ پنہاں بھی نہ تھا راز بھی تھا

بیمار ترے جی سے گزر جائیں تو اچھا!
جیتے ہیں نہ مرتے ہیں مر جائیں تو اچھا

کب کہہ گیا تھا آنے کو کیا وقت ہو گیا
اللہ نامہ بر کبھی گیا وقت ہو گیا

آہ بتوں پر دل کیا آیا ہاتھ ہی سے نادان گیا
خیر بلا سے دل ہی جاتا، جان گئی ایمان گیا

کیا بلا تھی ادائے پرسشِ یار
مجھ سے اظہارِ مدعا نہ ہوا
وہ قیامت اٹھائے پھرتے ہیں
آسماں آج زیرِ پا نہ ہوا

دل ہی پھر تیر ہے جو دل میں نہیں
تیر اُن کا خطا نہیں ہوتا!
دلِ برباد کیا ہوا آخر
کوئی ذرّہ فنا نہیں ہوتا

ہے یہ شانِ عبودیت مصروفِ دعا ہونا
منظورِ مشیت تھا ہر نالہ رسا ہونا

بنیادِ جہاں کیا ہے مجبورِ فنا ہونا
سرمایۂ ہستی ہے محرومِ بقا ہونا

○

حشر میں آئے تو دو ہو جائیں باہم آفتاب
اک سوا نیزے پہ ہو اک قدِ آدم آفتاب

○

وہ سخت جاں ہیں ہم کہ شبِ غم بھی کاٹ دی
فانیؔ ہمیں تو نیند نہ آئی تمام رات

○

باز آ فکرِ دوا سے اے طبیب
ہے علاجِ دردِ بے درماں عبث

اب یہ حالت ہے ترے بیمار کی
یا عبث گریاں ہے یا خنداں عبث

○

اے فانیؔ سخت جاں مبارک
تلواروں کی دیکھ بھال ہے آج

○

اے شبِ وصال کوئی دم تو ٹھہر
عمرِ دو روزہ کا شباب ہے آج

○

نفرت ہے اُن کو حسرت و ارماں کے ذکر سے
اُن کو نہیں پسند دلِ آرزو پسند
دل اس کو دے دیا ہے جو دشمن ہے جان کا
اس دوست پر فدا ہوں جسے ہے عدو پسند

○

جاں فدا کرنا ہے کیا مشکل اگر
ہو قبولِ خاطرِ مشکل پسند

○

جی گیا دیکھ کے اُن ہاتھوں کا لکھا کاغذ
کر گیا حق میں مرے کارِ مسیحا کاغذ

○

پھر زندہ اک جنبشِ لب نے کیا مجھے
قربان معجزے لبِ معجز نظام پر
شامِ وصال شامِ خطِ یار شامِ زلف
کیجے فدا ہزار سحر ایسی شام پر

○

کیوں نہ دلِ زار کو ہو ترا پیکاں عزیز
رسمِ جہاں ہے یہی خاطرِ مہماں عزیز

جو دل غنی ہے تو فانی غنی ہے مفلس بھی
نہیں گدا کو میسر وہ کیا ہے شاہ کے پاس

گلِ تر سروِ رواں نرگسِ شہلائے چمن
صدقے آنکھوں کے فدا قد پہ نثارِ عارض

جب یہ کہا کہ بے وفا کیا نہیں تجھ پہ میں فدا
کیا ہے یہ ماجرا غلط کہنے لگا کہ ہاں غلط

شکوۂ ظلم افترا حالِ شبِ فراق جھوٹ
نالۂ غم فزا دروغ آہِ شرر فشاں غلط

ہے سوزِ غمِ ہجر تمنا میں اس طرح
جیسے کہ جل رہی ہو کسی انجمن میں شمع

○

وہ آتے ہیں یہاں اے آخری دم
وفا کر سو سکے تجھ سے جہاں تک
یہ رونا رات دن یہ غم میں گھلنا
کہاں تک فانیٔ محزوں کہاں تک

○

پھاڑ کر فانی گریبانِ لحد
ہم چلے دامانِ محشر کی طرف

○

جو اُٹھا تو میٹھا سا اُٹھتا ہے درد
ابھی عشق اپنا جماتا ہے رنگ

○

یہ دل ہے کیا جو دے مجھے پروردگار دل
دل مانگنے یہ آپ کے قرباں ہزار دل

○

وہ کر کے قتل مجھے یوں جتا گئے احساں
کہ تیری خاک ٹھکانے لگائے دیتے ہیں

○

○

دونوں فتنے ہیں عشق اور محشر
ایک دنیا میں ایک عقبےٰ میں

○

نگہِ ناز کو گھونگٹ کے ہی اندر رکھیے
گھر میں رہتے نہیں جب پاؤں نکل جاتے ہیں

○

میرے مرنے کی خبر سن کے خفا ہو جانا
بدگمانی یہ نہیں تو اسے کیا کہتے ہیں؟

○

آ کے تماشاگاہِ جہاں میں دادِ تماشا کیا چاہوں
یاں ہر ذرہ کہتا ہے میں ذرہ نہیں اک دنیا ہوں
محوِ تماشا ہوں میں یارب یا مدہوشِ تماشا ہوں
اُس نے کب کا پھیر لیا منہ اب کس کا منہ تکتا ہوں

○

شب گریۂ غم کے طوفاں کا وہ جوش وہ جوش ارے توبہ
ہر اشک امڈ کر کہتا تھا میں دل کے لہو کا دریا ہوں

○

غم کے ستائے کچھ ہوں بلا سے آکے جگا تو جاتے ہیں
ہم ہیں مگر وہ نیند کے ماتے جاگتے ہی سو جاتے ہیں

ساز ہستی کو بھی اب قم کے اشارے سے نہ چھیڑ
اس میں ٹوٹے ہوئے دل کی نہ ہو آواز کہیں

دل ہی وہ خانماں خراب نہیں
جس کو توفیق اضطراب نہیں
میں ہی اپنا حجاب ہوں ورنہ
تیرے منہ پہ کوئی نقاب نہیں

رازِ حقیقت جاننے والے دیکھیے اب کیا کہتے ہیں
دل کو ہم اپنا دل نہیں کہتے تیری تمنا کہتے ہیں

ہر نفس آہ اور انفاس پہ جینے کا مدار
زندگی آہِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں

ہجر میں نامرادِ زیست جی سے گزر نہ جائے کیوں
سو جنہیں زندگی نصیب موت انھیں کو آئے کیوں
حسن سے راہ چاہیے ذوقِ نگاہ چاہیے
جب کوئی روبرو نہ ہو سامنے کوئی آئے کیوں

کہتے ہیں یہاں حضرتِ فانی بھی کہیں ہیں
اس انجمنِ ناز میں کیا ہم بھی کہیں ہیں

کشتیٔ اعتبار توڑ کے دیکھ
کہ خدا بھی ہے نا خدا ہی نہیں
میری ہستی گواہ ہے کہ مجھے
تو کسی وقت بھولتا ہی نہیں

رہِ ظلمات کی اے خضر نہیں ہم کو تلاش
ہم ہیں غربت زدۂ حدِّ دیارِ گیسو
طالعِ بد بھی مرا طالعِ اسکندر ہے
ہے مرا بختِ سیہ آئینہ دارِ گیسو

وہ مایوس شفا میں ہوں وہ جینے سے خفا میں ہوں
کہ جس کی زندگی قربان دم شمشیرِ قاتل ہو

ترے فراق میں حالت تباہ سی ہے تباہ
نہ دل یہ ہاتھ نہ اب سوئے آسماں ہے نگاہ
سرورِ وعدہ کہیں اور کہیں غم ناگاہ
خیالِ دوست کی نیرنگیاں خدا کی پناہ

کیوں پسِ مرگ یہ احسان اٹھائے کوئی
بیکسی کہدے جنازے پہ نہ آئے کوئی
وہ کبھی دن ہو کہ مری خاک کو کرنے پامال
قبر پر حشر اٹھاتا ہوا آئے کوئی

مجھے آہ کا ہے رونا جو یہ بے اثر نہ ہوتی
مری بیقراریوں کی تمہیں کیوں خبر نہ ہوتی
مری زندگی کی گھڑیاں تری دھن میں خوب گزریں
مری عمر کیسے کٹتی تری یاد اگر نہ ہوتی

○

رسم بیدادِ دوست عام ہوئی
تلخیٔ زیست بھی حرام ہوئی

○

گو ہستی تھی خوابِ پریشاں نیند کچھ ایسی گہری تھی
چونک اٹھتے تھے ہم گھبرا کر پھر بھی آنکھ نہ کھلتی تھی

○

جینے کی ہوس بھی ہے مرجانے کی حسرت بھی
وہ ایک تری مرضی جو غم بھی ہے راحت بھی
اس مشغلۂ غم میں کیا لطفِ حیات آئے
ملتی ہے کہیں فانیؔ مرجانے کی فرصت بھی

○

جادو جگا گئی ہے جب سے نظر کسی کی
بیہوش مستقل ہے اس رہگزر کی بستی

○

کیا کرے زندگی خضر کو لے کر وہ تمہید
لاش پر جس کی بسِ مرگ وہ دامن ڈالے

○

○

ازل میں آشنائے شوق کیا کوئی نہ تھا یارب
ہماری ہی زباں دنیا میں وقفِ التجا کیوں ہے

○

ہے ایک مرے پاس کبھی کہتے ہیں دل جسے
جامِ جہاں نما کوئی جاگیر جم کی ہے

○

اک عمر سے ہوں ناصیہ فرسا ترے در پر
اتنا تو کبھی پوچھ کہ تو کون ہے کیا ہے
ٹالا ہے مجھے وصل کو محشر پہ اٹھا کر
آ جائے اگر کل ہی قیامت تو مزا ہے

○

شکایت سے کرتے ہیں عذرِ شکایت
گلہ کیوں کیا یہ گلہ ہو رہا ہے

○

○

تاثیر دکھا کر ہی رہی غم کی کہانی
کہنا کسی ہمراز سے یہ راز غضب ہے

○

گو ایک ہی فتنہ ہے قامت بھی قیامت بھی
کم ہو تو قیامت ہے بڑھ جائے تو قامت ہے

○

ارمان کہاں ضعف میں تاثیر الم کے
لالے ہیں پڑے اب تو ہمیں آہ کے دم کے

○

خیر ہے کیوں مرے رونے کی ہنسی ہوتی ہے
دل لگی کیا ہے لگی دل کی بڑی ہوتی ہے
گریۂ ضبط کی تہمت نہ لگے آنکھوں کو
خونِ دل اب ترے آنے میں کمی ہوتی ہے

○

○

مجھے مرنے کی حسرت کارِ مشکل کی تمنا ہے
مرادم بھی کسی ناکام کے دل کی تمنا ہے

○

اجل سے ہے دلِ مایوس کو امیدِ آسائش
مری ڈوبی ہوئی کشتی کو ساحل کی تمنا ہے

○

دیکھ فانیؔ وہ کوئی حشر اٹھاتا آیا
چونک اب خوابِ لحد سے کہ سحر ہوتی ہے

○

ہے جو اس کانِ ملاحت سے طلبگارِ نمک
زخمِ دل شاید تبسم آفریں ہونے کو ہے
اللہ اللہ سرخیٔ رنگِ شفق کیوں اے جنوں
آسماں کیا کوئے قاتل کی زمیں ہونے کو ہے

○

○

مطلب ہے ضبطِ عشق سے تاثیرِ دردِ عشق
اخفائے حال سے غرض افشائے حال ہے
رودادِ مرگ و زیست یہ ہے قصہ مختصر
مجبورِ زندگی کو بھی جینا محال ہے

○

آٹھ پہر کسی کی آنکھ بند نہ کیوں رہا کرے
دید ہو یا امید ہو کچھ بھی نہ ہو تو کیا کرے
ہے تری بارگاہ میں حرفِ غلط ہر آرزو
کوئی دعا نہیں قبول لاکھ کوئی دعا کرے

○

تو بھی تو ما سوا بھی تو ہی ہے
رنگ و بو رنگ ہے نہ بو ہی ہے
پاسِ وضعِ حیات کیا کہنا
آرزو ہے تو آرزو ہی ہے

○

کچھ آگہی سے اپنی حقیقت سے ہے مجھے
امیدِ بے سبب تری رحمت سے ہے مجھے

○

اے داغِ دل اے کھوئے ہوئے دل کی نشانی
آ فانیؔ بے دل تجھے سینے سے لگا لے

○

روح کا آنسوؤں بھری آنکھوں میں پا تراب ہے
آ کہ حیاتِ مستعار نقش بر دے آب ہے
قاعدہ دانِ ضبط ہے شعلۂ غم کی داد دے
برق کی وضع پر نہ جا بندۂ اضطراب ہے

○

عالمِ ہستی یارب کیا آباد نما ویرانہ ہے
جس نے یہاں کچھ ہوش سنبھالا آپ وہی دیوانہ ہے

○

کس کو یہاں امید اثر ہم دل کو سمجھا لیتے ہیں
حالِ دل اس سے یوں کہتے ہیں گویا اک افسانہ ہے

میں بھی اک پرتوِ ہستی ہوں مگر کیا کہیے
قطرہ دریا سہی کس قطرے کو دریا کہیے
تھی نظر صرفِ تماشا وہ زمانہ گزرا
اب کوئی دن مری آنکھوں کو تماشا کہیے

ختم شد